محمد ظهیر الدین بابر بادشاه

۱۲۴

محمد ظهیر الدین بابر بادشاه

تصلح للاولین موعظۃ للآخرین

محمد ظہیر الدین بابر بادشاہ غازی کی

سوانح عمری

جو ہندوستان میں خاندان مغلیہ کا بانی اور صفحہ تاریخ کے اول

درجے کے شہنشاہوں میں جری اور مستقل مزاج ہے

یہ مضمون جو مولوی محمد حبیب الرحمن خان صاحب شروانی نے لکھ کر رسالہ حسن حیدرآباد

میں طبع کرا کر ایک اشرفی انعام حاصل کیا تھا۔

خاص اجازت سے رسالہ حسن سے ریپرنٹ کیا گیا

دوسری بار سنہ ۱۹۰۱ء میں

بغرض اشاعت علوم مفیدہ

مطبع خادم التعلیم پنجاب لاہور میں باہتمام کارپردازان مطبع طبع ہوا



شاہ بابر غازی

تاتاری مغلوں کے خصائص

تاتاری مغلوں کے کارنامے پڑھ کر یہ باور کرنے کی ہر ایک وجہ ہے کہ شجاعت اور عزم انمیں ایک فطری جوہر تھا۔ انکی شجاعت اور انکا عزم وحشت سے بھی دو قدم آگے تھا اپنے وطن سے نکلکر ماوراءالنہر[۱]، ایران اور خراسان وغیرہ ممالک میں جسطرف گئے فتح اور بربادی انکی ہمرکاب رہی۔ دریائے والگا سے لیکر سندھ اور گنگا تک چنگیز خاں اور امیر تیمور کی تلوار کی کہیں پناہ نہیں تھی نیشاپور اور جرجانیہ (دارالسلطنت خوارزم) سے بہت سے شہر اس سیل تاتار میں ایسے بھی ہیں کہ اب بعضوں کے کھنڈر ملنے بھی دشوار ہیں۔ خلافت عباسیہ کا خاتمہ اسی خاندان کے ایک بادشاہ کے ہاتھ سے ہوا جسکا مہیب نام ہلاکو ہے۔ حسن بھی نیچر نے انکو فیاضی سے عطا کیا تھا۔ ایرانی تغزل میں ترک سنگدل دلربا کے معنے ہیں۔ مگر حیرت کی بات ہے کہ اس وحشت اور قساوت کے ہوتے کمال اور باکمالوں کے قدردان تھے۔ ہلاکو خاں کے دربار میں محقق طوسی نہایت محترم تھا۔ مراغہ (ملک آذربائیجان) کی مشہور رصد محقق موصوف نے ہلاکو خاں کی سرپرستی میں بنائی تھی۔ امیر تیمور علامہ تفتازانی میر سید شریف جرجانی سے بہت ہی مخلصانہ پیش آتا تھا

---

[۱] بخارا اور بحیرہ خزر کے درمیانی ملک کا نام ہے۔ ۱۲

امیر تیمور اور اسکے وارث

امیر تیمور نے دریائی والگا سے گنگا کے کنارے تک فتح کر کے کوئی صاحب واجبہ حاکم
ان ملکوں میں نہیں چھوڑا تھا۔ اور قریباً اس تمام ملک پر وہ خود فرمانروا
تھا جس سلطنت کی بنا محض قہر اور جلادی پر ہو اسکی پائداری معلوم۔ امیر تیمور کے مرتے ہی اس عظیم الشان
سلطنت کے تمام اجزا پریشان ہوگئے اور اوسکے وارث چھوٹے چھوٹے ملکوں پر مستقل ہو بیٹھے۔ اس زمانہ کی
اسلامی سوسایٹی کا اثر اس واقع سے خوب معلوم ہو سکتا ہے کہ امیر تیمور سے جابر اور وحشی بادشاہ کی اولاد
میں شاہرخ میرزا اور الغ بیگ میرزا سے نیکدل۔ کریم النفس اور عالم بادشاہ ہوئے۔ اُسکی اولاد میں نہ تو
کوئی ایسا زبردست تھا جو سب کو زیر کرکے خود تمام سلطنت کا مالک ہو جاتا اور نہ وہ ایسے پست ہمت
تھے کہ اپنے اپنے ملک پر قانع رہتے۔ اسکا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ لڑائیوں کا ایک غیر مسلسل ہنگامہ ہمیشہ باہم
برپا رہتا تھا جس زمانہ سے ہمارے ہیرو کو تعلق ہے اس زمانہ میں سمرقند پر سلطان احمد میرزا بابر کے ایک چچا
کی حکومت تھی۔ اور بدخشاں۔ قندز۔ اور ترمذ اور حصار پر سلطان محمود میرزا کی عملداری تھی۔ اور کابل و
غزنی پر الغ بیگ میرزا قابض تھا۔ تاشقند اور شاہرخیہ پر بابر کا ماموں سلطان محمود حکمران تھا اور خراسان
پر سلطان حسین میرزا کی فرمانروائی تھی۔ ولایت فرغانہ پر بابر کا باپ عمر شیخ میرزا حاکم تھا۔

بابر کا باپ

عمر شیخ میرزا بابر کا باپ سلطان ابو سعید میرزا کا بیٹا اور سلطان ابو سعید میرزا میرانشاہ
پسر امیر تیمور کا پوتا تھا۔ پستہ قد۔ فربہ اندام۔ ڈاڑھی گول۔ رنگ سرخ گندمگون یہ حلیہ ہے۔
عمر شیخ میرزا کا پڑھا لکھا معمولی سا تھا۔ حضرت عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ کا ارادتمند مرید تھا۔ اور حضرت
خواجہ بھی فرط شفقت سے فرزند فرمایا کرتے تھے۔ حنفی المذہب نماز و تلاوت کا پابند۔ بڑا با توفیق اور خوش بیان
تھا ایک مرتبہ ختا سے ایک کاروان آتا تھا۔ اندجان کے قریب پہاڑوں پر سے ... برف نے سب آدمی قافلے کے ہلاک
کر ڈالے عمر شیخ میرزا نے اپنے ملازم وہاں بھیجے اور تمام اسباب منگوا کر بحفاظت رکھ چھوڑا دو برس کے بعد خراسان اور سمرقند
سے مال کے وارث تلاش کرکے بلوائے اور مال انکو سونپ دیا چونکہ امیر تیمور کا پوتا تھا اسلئے ہمیشہ ملک گیری کی ہوس
میں اپنے بھائیوں سے لڑتا رہا۔ انکو زیر کرنیکو کبھی تو سسرال والوں کی مدد لاتا تھا اور کبھی خود سسرال والوں
پر چڑھ دوڑتا تھا۔ بابر لکھتا ہے کہ کبھی تو عمر شیخ میرزا کی بد معاشی کے سبب اور کبھی خود اپنی مخالفت کے سبب یہ لوگ
اسکی ولایت میں نہ ٹھیر سکے اور ہمیشہ اپنے ملک مغولستان کو لوٹ گئے۔ اسلئے ان سسرال والوں کی مدد سے

۱؎ افغانستان کی شمالی سرحد کے قریب واقع ہے ۲؎ دریائے آمو یا جیحون کے شمالی کنارہ پر سرحد افغانستان کے قریب ہے۔
۳؎ مغربی افغانستان کا ایک شہر ہے ۴؎ بابر کا دوسرا چچا ۵؎ بابر کا تیسرا چچا ۶؎ جیحون کے شمال میں تھا اور دیوان بیگ ۷؎

کچھ فائدہ نہیں ہوا بلکہ جو ملک تاشقند و شاہرخیہ اسکو دیکر عوض میں دیے گئے تھے وہ ہمیشہ کیواسطے عمر شیخ مرزا کو قبضہ سے نکل گئے۔ ۴ رمضان ۸۹۹ھ کو اخسی کے قلعہ میں کبوتر خانہ کی چھت پر کھڑا تھا کہ کبوتر خانہ مع اسکے زمین پر آ رہا اور عمر شیخ مرزا کی روح عالم بالا کو پرواز کر گئی۔ وفات کے وقت اسکی عمر ۳۹ برس کی تھی اور اخسی میں دفن ہوا۔

بابر کی ماں بابر کی ماں قتلق نگار خانم یونس خاں مغل کی بیٹی تھی۔ یونس خاں چنگیز خاں کی اولاد میں تھا۔ اور مغولستان کے جرگوں پر اسکی سرداری مسلم تھی۔ اسطرح بابر کی رگوں میں تیمور اور چنگیز سے دو اولوالعزموں کا خون جوش زن تھا۔ اسکی ماں ایسی ہی بہادر تھی جیسے اس زمانہ کی ایک ترک عورت ہونی چاہیئے۔ بابر نے لکھا ہے کہ اکثر معرکوں اور لڑائیوں میں میری ماں ساتھ رہتی تھی۔ ۹۱۱ھ میں چھ روز بیمار رہ کر کابل میں فوت ہوئی اور وہیں سپرد خاک کی گئی

ولایت فرغانہ ولایت فرغانہ ترکستان کی ایک چھوٹی سی ولایت تھی جو دریائے سیحون کے دہانہ کے قریب اسکے دونو کنارونپر واقع تھی۔ مشرق میں کاشغر مغرب میں سمرقند جنوب میں کوہستان سرحد بدخشان اور شمال میں غیر آباد ملک واقع تھے تین طرف پہاڑوں سے محصور ہے اور شمال جنوب یا مشرق کے دشمن صرف غرب کیطرف سے بڑھکر حملہ کر سکتے ہیں۔ یہ ولایت سرسبز اور دریائے سیحون اور چھوٹے چھوٹے چشموں سے سیراب ہے جو برکتیں ایک سرد ملک پر نازل ہوتی ہیں ان میں یہ بھی شریک تھا عام ملک کی آب و ہوا صحت بخش تھی۔ باشندے شجاع اور قوی تھے غلہ و میوہ کثرت سے پیدا ہوتا تھا۔ اوش۔ اندجان۔ مرغینان اور خجند مشہور قصبے تھے اور ابتک نقشہ میں انکا پتہ لگتا ہے۔ بابر کے عہد میں اسفرہ اور اخسی دو اور قصبے تھے۔ لیکن اب انکا نشان نقشہ میں نہیں۔ مسلمانوں کی اقبالمندی کے دنوں میں بعض نہایت مشہور باکمال اسی خطہ کی ناز ان تھا قطب صاحب (جنکا متبرک مزار دلی میں ہے) اوش کے اور صاحب ہدایہ مرغینان کے اور خواجہ کمال خجند کے فخر تھے۔ عمر شیخ مرزا نے اخسی کو دارالسلطنت قرار دیا تھا۔ اسکا قلعہ شہر سے ایک میل دور پہاڑ کی اونچی دری پر بنا ہوا تھا اور دریائے سیحون کی پرزور موجیں اسکی بلند اور استوار فصیل کے قدم دھو دھو کر پیا کرتی تھیں۔ یہ ولایت ہے جو بابر کو وراثت میں ملنے والی تھی۔

بابر کی پیدائش ۶ محرم ۸۸۸ھ کو وہ نامور بچہ پیدا ہوا جو ملک ہندوستان میں ایک عالیشان سلطنت قایم کرنے والا تھا۔ بابر اپنے والدین کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔ شامی شاعر نے تاریخ ولادت یوں کہی ہے

در شش محرم زاد آن شاہ مکرم — تاریخ مولدش ہم آمد شش محرم

اسکے بچپن کا کوئی حال ہمکو معلوم نہیں ہوا ہے صرف یہ معلوم ہے کہ پانچ برس کی عمر میں سمرقند پہنچا

سلطان احمد میرزا کو بیاہی گئی تھی اسکی چھوٹی بیٹی عائشہ سلطان بیگم کی نسبت اسکے ساتھ کی۔ سمرقند اندجان سے ۲۵۰ میل کے قریب ہے۔ اس زمانہ کے نا سمجھ بچے اتنی مسافت طے کر ڈالتے تھے اور پھر اس وقت کہ دشوار گذار اور پر خطر راستے کہ قدم قدم پر پہاڑ اور دریا موجود اور ہر دم دشمن کا خوف۔ افسوس ہم پر جو تمام عمر گھر کی چاردیواری سے باہر نہیں نکلتے۔ اور آج سفر میں گھر سے زیادہ آسایش ہے۔ بابر کی تعلیم و تربیت قاضی عبد اللہ (المشہور بخواجہ مولنا) کے سپرد کیگئی یہ قاضی عبد اللہ شیخ الاسلام برہان الدین کی اولاد میں اور خواجہ عبید اللہ احرار رحمت اللہ علیہ کے مرید تھے فرغانہ کے مذہبی مقتدا اور صاحب نسبت بزرگ تھے۔ باایں ہمہ علم و فضل بہادری کا جوہر بھی نورانی پیشانی پر نمایاں تھا۔ بابر ہر چند خود بڑا بہادر تھا مگر انکی ثبات و استقلال سے اسکو بھی حیرت تھی اگرچہ ٹھیک طور پر یہ نہیں معلوم ہوتا کہ استاد سے اسنے کیا کیا پڑھا لیکن بابر کی سرگذشت شاہد ہے کہ خواجہ مولینا کی تربیت نے اسکے دل پر گہرا اثر ڈالا تھا۔ راستبازی اور سادگی جو اسکے چال چلن کو نور کیطرح تاباں ہیں وہ زیادہ تر اسی باخدا کے فیض تربیت سے حاصل ہوئی تھیں۔ بابر کی علمی لیاقتوں کو آخری ریمارک میں بیان کرینگے۔ شاہان تیموریہ کا یہ قاعدہ رہا کہ بچوں کو سمجھدار ہونے پر کسی امیر کی سپردگی میں اپنے دور دراز ملکوں کو بھیجدیتے تھے۔ ملک کی حکومت میں برائے نام انکا نام شامل ہو جاتا تھا اور امرا انکے کردار و اطوار کے نگران رہتے تھے۔ ۱۲ برس کی عمر میں بابر شیخ فرید بیگ کی اتالیقی میں اندجان میں بھیجا گیا۔ خواجہ مولینا بھی ہمراہ تھے۔ اس سال سلطان احمد میرزا اور سلطان محمود خاں (بابر کا ماموں) عمر شیخ میرزا کی لڑائیوں سے تنگ آکر باہم متفق ہوئے اور دونوں نے جنوب اور شمال سے اسکے ملک پر حملہ کرنے کو حرکت کی۔ شاید موت کو بھی ان حملہ آوروں کے ساتھ پوری ہمدردی تھی کہ انکو فرغانہ میں قدم رکھتے ہی اسنے بھی اپنا وار (جیسا کہ بیان ہوا) عمر شیخ میرزا پر کیا۔ بابر اندجان میں دم نہ لینے پایا تھا کہ باپ کا سانحہ پیش آیا۔ ۵ رمضان المبارک ۸۹۹ھ کو بابر چارباغ کی سیر کا لطف اٹھا رہا تھا کہ اس حادثہ کی خبر پہنچی۔ اول تو اس چھوٹی عمر میں باپ کی مفارقت دوسرے ملک دشمن سے گھرا ہوا۔ سنتے ہی بیتاب ہو گیا اور جو لوگ وہاں موجود تھے انکو ہمراہ لیکر سیدھا قلعہ میں پہنچا اور قلعہ میں پہنچتے ہی تخت پر جلوہ افروز ہوا۔

بابر کی تخت نشینی

اسوقت اسکی عمر ۱۲ برس کی تھی۔ تخت نشینی ہی سے مصائب کی فوج کھڑی ہوگئی اور جو شورش عمر بھر بابر کو طے کرنی تھی اسکی پہلی منزل تخت پر بھی بیٹھنے نہ پائے کہ تخت نشینی کا جشن ہوتا یا بزم نشاط گرم ہوتی ہر شخص اپنی ہی فکر میں پڑ گیا کیونکہ سلطان احمد میرزا نے

لیتا ہوا اندجان سے چار کوس پر آن پہنچا تھا طوفان جب آتے ہوتے ہیں تو انکے آثار پہلے ہی سے محسوس ہونے لگتے ہیں احمد میرزا کا طوفان جب شہر کے قریب پہنچا تو معرکہ طلب طبیعتیں فاسد ہو چلیں لیکن بابر نے فوراً ایک مفسد کی گردن اڑوادی اور یادہ فساد وہیں افسردہ ہو کر رہ گیا۔ خواجہ مولینا اور دو اور امیر سلطان احمد میرزا کی خدمت میں بھیجے کا یہ سعادتمندانہ پیام لیکر گئے کہ سمرقند سے شہر کو چھوڑ کر حضور کا یہاں رہنا تو معلوم۔ فتح کے بعد یہ ملک ضرور کسی ملازم کے سپرد ہوگا۔ میں غلام بھی ہوں اور فرزند بھی ہوں۔ اگر یہ خدمت میری ہی سپرد ہو جائے تو بہت سی دردسری کم ہو جائیگی۔ سلطان احمد میرزا نہایت نیک نفس آدمی تھا اس پیام کا اثر اسکے دل پر بہت ہوا لیکن (جیسے اکثر نیک حاکم ہوتے ہیں) اسکے مزاج پر امرا بہت حاوی تھے۔ وہ اپنا نفع کیوں چھوڑتے سخت و درشت جواب دیکر ایلچی واپس کر دیئے اور سلطان احمد میرزا آگے بڑھا لیکن مسبب الاسباب کی شان کو بھی دیکھو چند اتفاقی سبب ان سے ہوگئے کہ سلطان احمد میرزا کو ناکام پھرنا پڑا۔ دریائے قبا پر غنیم کا لشکر ایک پل کو عبور کر رہا تھا کہ پل ٹوٹا اور بہت سی جانیں تلف ہو گئیں۔ اتفاقاً چار برس اودھر بھی ایک ایسا ہی واقعہ گزرا تھا اور اسکے بعد اسکو میدان جنگ میں ناکامی ہوئی تھی اب جو پل پھر ٹوٹا انکو اگلی شکست یاد آئی تھی اور بدشگونی کے خیال نے (جو ایشیا میں بہت موثر چیز ہے) سب کے دل ہلا دیئے۔ گھوڑوں میں وبا اس کثرت سے پھیلی کہ طویلے خالی ہو گئے اور سب سے زیادہ اہم یہ بات تھی کہ بابر کی نوکر اور رعایا ایسے سنگدل تھے کہ مخالفین کو اپنی فتح یقینی نہیں معلوم ہوتی تھی ان وجوہ سے سلطان احمد میرزا کو مناسب معلوم ہوا کہ اسوقت ناپائداری سے صلح کر کے چلا جائے۔ اسطرف سے درویش محمد ترخاں آیا اور اسطرف سے حسن بھیجا گیا اور دونو نے عہد کیا جسکے ہاتھ میں گویا شکست لگی ہوئی تھی۔ عہد کے بعد سلطان احمد میرزا سمرقند کو لوٹ گیا اس جنوبی غنیم سے اطمینان ہوا ہی تھا کہ شمال کیطرف سے سلطان محمود خاں نے حملے کیے۔ لیکن کچھ مفید نہیں ثابت ہوئے۔ خدا کی شان سلطان محمود خاں بیمار پڑ گیا لڑتے بھڑتے بھی تنگ آگیا تھا شاید [illegible] سے لڑتے ہوئے بھی شرم آئی ہوگی۔ وہ بھی جدھر سے آیا تھا اودھر کو چلا گیا اسکے [illegible] سے حملہ کیا۔ لیکن فوج بابر سے معرکہ پڑتے ہی اسکو معلوم ہو گیا کہ وہ اسکو میدان [illegible] نہیں تھا جسطرح اپنی جان بچا کر بھاگ گیا۔ ان بلاؤں سے نجات پا کر بابر کی عزاداری بابر شیخ اندجان سے جہانگیر میرزا عم کی بیگمات اور امرا آئے فقرا اور مساکین کو کھانا کھلایا [illegible] سے فارغ ہو کر ملک کا انتظام اسطرح کیا گیا کہ اندجان اور محل شاہی کا مہتمم حسن یعقوب بیگ

حصار پر قاسم بیگ حاکم کیا گیا۔ انھیں براوندوں حسن اور مرغینان پر علی دوست طغائی مقرر
ہوئے۔ سلطان احمد میرزا الٹے ہوئے راستہ میں داندجان کی غرب میں ایک مقام ہی پہنچا
تھا کہ اجل نے آگھیرا اور چہ روز بخار میں مبتلا رہ کر یہ نیک بادشاہ جسنے اپنی رعایا کو آرام
دیا تھا ۴۴ برس کی عمر میں رحلت کر گیا۔ اُسکا کوئی وارث نرینہ نہ تھا۔ امرا نے اُسکے بھائی
سلطان محمود میرزا والی بدخشان کے پاس ایلچی بھیجا۔ وہ یہ مژدہ جانفزا سنکر سمرقند کو چلا آیا یہاں آتے ہی تو تمام
ملک قبضہ میں تھا سمرقند پر حاکم ہونے کے بعد اُسکی سرحد بابر کے ملک سے ملگئی اور اُسکو بابر کا ملک
چھین لینے کا شوق پیدا ہوا۔ لیکن اُسنے اپنی کامیابی کیواسطے دوسرا ہی پہلو اختیار کیا۔ سلطان
محمود خاں اور سلطان احمد میرزا امرائے بابری کے اتفاق اور مردانگی کے سبب ناکام رہے تھے تو محمود
اُسنے خود امرا میں خفیہ سازش شروع کی۔ اُسی زمانہ میں اُسنے اپنے بیٹے مسعود میرزا کی شادی
بہت دہوم دہام سے کی تھی بابر کے پاس بھی ایک ایلچی کو سونے چاندی کی پستہ بادام دیکر بھیجا
بادام اور پستوں کا تو بہانہ تھا حقیقت میں قاصد حسن یعقوب خاں کا رشتہ دار تھا اور اس دام
سازش کا جو اُسکے آقا نے بچھایا تھا ایک پھندا اپنے عزیز کے گلے میں ڈالنے کو آیا تھا۔ عیار سفیر نے
حسن یعقوب کو پھانس لیا اور وعدے لیکر اپنے بادشاہ کے دربار کو لوٹ گیا۔ پانچ چھ مہینہ کے بعد
حسن یعقوب کی تیوریاں بدلنے لگے اور اُسنے یہ منصوبہ گانٹھا کہ بابر کو معزول کر کے جہانگیر میرزا کو بادشاہ بنائے
امرائے خیرخواہ اس چال کو پا گئے اور جا کر بابر کی نانی سے یہ ماجرا بیان کیا "کہ میری نانی کی مثل
رائے اور تدبیر میں بہت کم عورتیں ہونگی۔ نہایت عاقل اور مدبر تھی اور اکثر معاملات اُسکے
مشورہ سے ہوتے تھے"۔ وہاں یہ بات قرار پائی کہ حسن یعقوب معزول کر دیا جائے۔ وہ ایک
علیحدہ ارک میں رہا کرتا تھا۔ بابر اُسکو معزول کرنے گھوڑے پر سوار ہو کر چلا۔ حسن یعقوب اتفاقاً شکار
کو گیا تھا جاسوسوں نے شکارگاہ میں اُسکو یہ خبر پہنچائی اور وہ سیدھا سمرقند کو چلا آیا اُسکے جانیکے بعد
اور امرا کی تحقیقات کیگئی اور جو مشتبہ نکلے وہ گرفتار ہوئے۔ حسن یعقوب سمرقند جاتے ہوئے جس
[illegible] میں ایک تیرانداز نے نمک حرامی کا مزہ چکھا کر دوسری جہان میں پہنچا دیا۔ سلطان محمود
میرزا اپنے دام سازش میں اُنکو پھانس رہا تھا کہ ربیع الآخر سنہ ۹۰۰ھ کو خود اجل کا شکار ہو گیا۔ سلطان محمود
میرزا نہایت ظالم اور فاسق تھا اور اہل سمرقند اُس سے نہایت تنگ آگئے تھے خسرو شاہ نے جو اُسکا
منہ لگا مقتدر امیر تھا مصلحتاً اُسکی وفات کو چھپایا مگر اتنا بڑا واقعہ کس پردہ میں چھپ سکتا ہے
تھوڑے ایام میں شہر میں شہرت ہو گئی شہرت کے ساتھ گھر گھر خوشی کے شادیانے بجنے لگے اور اہل شہر

متفق ہوکر خسرو شاہ پر چڑھ گئے اور وہ اپنی جان لیکر شہر سے بھاگ گیا۔ سلطان محمود میرزا
کے قابل ذکر چار بیٹے تھے۔ سلطان مسعود میرزا۔ سلطان بایسنغر میرزا۔ سلطان علی میرزا اور
خان میرزا اسنے اپنی حیات میں مسعود میرزا کو حصار اور بایسنغر میرزا کو بخارا دیکر اور خود بادشاہ تھا۔ اسکے
حادثہ کے بعد امرا نے بایسنغر میرزا کو بخارا سے بلاکر باپ کی جگہ پر بٹھایا۔ سلطان محمود میرزا کی وفات
سنکر سلطان محمود خاں نے (جو ان شاہزادوں کا بھی ماموں تھا) بعض کور نمک امرا کی تحریک
سے سمرقند پر حملہ کیا۔ بایسنغر میرزا مقابلہ پر آیا۔ لڑائی کے بعد سلطان محمود خاں کو شکست
ہوئی اور کثرت سے اسکے مغل کام آئے۔ اس فتح سے اہل سمرقند کے حوصلہ بڑھ گئے اور طبع آزمائی
کو بابر کے ملک پر چڑھ آئے۔ ہر بلائی کز آسمان آید ۔ گرچہ بر دیگری قضا باشد ۔ بر زمین نارسیدہ میپرسد ۔
خانۂ انوری کجا باشد ۔ اسفرہ پر قبضہ کرکے بایسنغر میرزا کا خطبہ پڑھوایا۔ بابر یہ حال سنکر اُنکے مقابلہ کو
بڑھا اور چالیس دن کے محاصرے کے بعد تنگ آکر دشمن نے قلعہ چھوڑ دیا۔ خجند بابر کے باپ کے قبضہ
میں تھا لیکن پچھلے الجھاؤ میں ہاتھ سے نکل گیا تھا بابر نے اسفرہ سے بڑھ کر اُسپر بھی قبضہ کر لیا
یہاں آکر معلوم ہوا کہ سلطان محمود خاں قریب شاہرخیہ میں ٹھیرا ہوا ہے۔ عمر شیخ میرزا کی
وفات کے بعد یہ حضرت بھی اُسکے ملک پر قوت آزما ہو چکے تھے۔ بابر نے سوچا کہ آخر ماموں ہے اور
اسقدر قریب ہی ملکر مل آؤں۔ گزشتہ کدورتیں بھی محو ہو جائینگی دیکھنے سننے والے بھی تحسین کرینگے
یہ سوچکر شاہرخیہ جا پہنچا۔ اُسکا ماموں اپنے باغ کے چار درہ میں بیٹھا تھا۔ چار درہ میں قدم رکھتے ہی
بابر نے اپنے زانو پر تین دفعہ ہاتھ ماری (یہ اُس زمانہ کا آداب ہے) وہ بھی تعظیم کیواسطے اُٹھ کھڑا ہوا
اور گلے سے لگا لیا۔ بابر نے پھر زانو پر ہاتھ ماری۔ اُسے ماموں نے بلاکر پاس بٹھا لیا اور شفقت ظاہر کی۔ بابر
دو چار روز وہاں رہ کر اپنی تختگاہ اندجان کو لوٹ آیا۔ بابر نے یہ بھی دوراندیشی کی کہ ماموں سے صفائی
کر آیا آگے چلکر آپ دیکھینگے کہ اکثر آڑے وقتوں میں اپنے ماموں سے وہ مدد لایا اور ماموں کا گھر ہمیشہ اسکی
پناہ کیلئے کھلا رہا اگر اتنا قریب پہنچکر بابر سلطان محمود خاں سے نہ ملتا تو اسکے دل میں کاوش پڑ جاتی
اور پھر کسی شکل میں بابر کا منہ پڑتا اگر اس سے کمک چاہتا۔

فتح سمرقند سلطان محمود میرزا کے بیٹے معرکہ طلب امرا کے ہاتھوں میں کٹھ پتلیاں بنے ہوئے تھے اور ہر ایک
اپنی کٹھ پتلی کا حیلہ رکھکر ملک کو اپنی ہی جھولی میں ڈالنا چاہتا تھا بایسنغر میرزا سمرقند کا میر و
رئیس تھا۔ سلطان علی میرزا امرائے بخارا کے قبضہ میں تھا اور سلطان مسعود میرزا پر حصار میں خسرو شاہ
محیط ہو رہا تھا اس آشوب کے زمانہ میں اکثر فوج کے آدمی اُن سے جدا ہو کر بابر کے پاس چلے آئے بابر نے جو یہ حالات

نے ندامت ذلت نپولین جیسی ہی اس معرکہ پر سمرقند یوں ہو بدمزگی ہو چکی تھی شوال سنہ ۹۰۳ھ سمرقند پر
ورش کی تھی جس شہر کو پانچ برس کی عمر دیکھا تھا اس کو سولہ برس کی عمر میں ہمارا نوجوان میرزا اسکو فتح
کرنے چلا اس سفر کو آئندہ مصائب کا دیباچہ سمجھنا چاہیئے۔ مشرق ہو تو بابر نے حملہ کیا اور مغرب (بخارا)
سے سلطان علی میرزا اور جنوب (حصار) سے سلطان مسعود میرزا سمرقند لینے کو بڑھے اور تینوں لشکر
نے سمرقند کو آ کر گھیر لیا۔ تین چار مہینے محاصرہ ہی میں گزر گئے۔ اسی عرصہ میں سلطان علی میرزا نے
اپنے ایک امیر کو اتفاق اور یکجہتی کا پیام دیکر بابر کے پاس بھیجا۔ بابر بھی رضامند ہو گیا اور یکجہتی کا
معاہدہ کر لیا۔ اب سردی کی کثرت سے برف پڑنے لگی۔ سرد ملکوں میں یہ برف بھی عجیب مصلح ہے۔ کیسی ہی
خونریز اور لشکر مقابلہ پر پڑے ہوں جاڑا آیا اور دونوں نے اپنے اپنے گھر کی راہ لی۔ ایک تو برف کی صعوبت
دوسری گھاس اور غلہ بالکل نہیں مل سکتا آخر انسان کیا کرے۔ نپولین اعظم کو ماسکو میں جو گوشمالی
اس زمستان نے دی تھی۔ ایک زمانہ اس سے واقف ہے۔ جاڑے کے آتے ہی تینوں لشکر
اپنے اپنے مرکز کو چلے گئے۔ سلطان مسعود میرزا سمرقند کے ایک امیر کی حور وش لڑکی پر فریفتہ تھا
لوٹتے وقت نکاح کر کے اپنی آرام جان کو لے گیا اور اس خوشی کے صلہ میں سمرقند سے ہمیشہ کو
ہاتھ دست بردار ہو گیا بلکہ بابر کی شہادت کے بموجب اس محاصرہ کا اہم مقصود وصال جانان
ہی تھا۔ سنہ ۹۰۳ھ کے فصل بہار میں بابر نے پھر سمرقند پر فوجکشی کی۔ پچھلے برس بابر اور سلطان علی
میرزا سے یہ معاہدہ ہوا تھا کہ اگلے موسم میں دونو متفق ہو کر حملہ کرینگے۔ بابر نے سمرقند جا کر سنا کہ سلطان
علی میرزا پہلے سے موجود ہے اور بایسنغر میرزا اسکے مقابل شہر سے باہر پڑا ہے۔ بابر کی آمد
سنکر بایسنغر میرزا قلعہ بند ہو کر بیٹھ رہا۔ سمرقند کے نزدیک ایک قلعہ تھا۔ اول بابر نے اسکو
فتح کیا اور عید الفطر کی نماز وہاں پڑھکر آگے بڑھا۔ بایسنغر میرزا کے چند امیر مع تین سو آدمیوں
کے بابر سے راہ میں ملگئے اور یہ ظاہر کیا کہ حضوری کی قدمبوسی کی آرزو کھینچ لائی ہے۔ تحقیق
سے معلوم ہوا کہ مذکورہ بالا قلعہ کے بچانیکا بیڑا اٹھا کر بایسنغر میرزا کے دربار سے نکلے تھے یہاں
جو حالت دیگرگوں دیکھا۔ بابر کے ہواخواہ بنگئے۔ بابر اس دفعہ بھی محاصرہ کیئے پڑا رہا اور قلعہ والوں
کو ایک مدت تک ڈال میں اسکی فوج کا قدم آگے ہی تھا۔ یہاں تک کہ فصیل تنگ ترکت نہ ہونے لگی۔ ایام
محاصرہ میں سمرقند کے تاجر چھپ کر بابر کے لشکر میں کثرت سے مال فروخت کرنے آیا کرتے تھے۔ ایک
روز عصر کے وقت لشکر والوں نے فساد کر کے ان کو لوٹ لیا۔ بابر نے یہ سنکر حکم دیا کہ انکا تمام
مال پھیر کر واپس کر دیا جائے۔ صبح کو ایک پہر دن نہیں چڑھا تھا کہ سوداگر اپنے مال سے پورا پورا

اور قتل عام بہر حال کسیکو پاس نہیں رہی۔ اُنکے لشکر کے ضبط و ترتیب کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے۔ اہل قلعہ بہت تنگ آ چکے تھے اور بابر کا پلہ بھاری ہو چلا تھا اور امید ہوتی تھی ایک دو روز میں سمرقند فتح ہو جائیگا کہ آفتاب برج میزان میں آ پہنچا اور سردی کی گرم بازاری شروع ہو گئی اور سلطان علی میرزا بخارا کو لوٹ گیا۔ بابر نے مجلس مشورت منعقد کی اور کونسل میں یہ رائے قرار پائی کہ شہر عنقریب فتح ہونے کو ہے اپنے ملک کو واپس جانا مناسب نہیں نہیں کسی جگہ قشلاق (سرما گزاری) کرنی چاہیے۔ خواجہ دیدار کا قلعہ متصل تھا وہاں بابر اپنی فوج ہٹا لایا اور چند روز مکانوں کی تیاری کے انتظام میں پڑا رہا۔ بائسنغر میرزا نے شیبانی خاں کو ترکستان سے بڑی منت کرکے بلایا تھا جس روز بابر میدان سے اٹھکر قلعہ میں پہنچا اسی روز خبر آئی کہ شیبانی خاں آ رہا ہے۔ بابر کے لشکر کے اکثر آدمی قشلاق کے بندوبست میں منتشر ہو گئے تھے یہ خبر سنکر جو سپاہی موجود تھے انہیں کو لیکر میدان میں آ جما شیبانی خاں کے قدم مقابلہ نہ جم سکے اور سیدھا سمرقند کو چلا گیا وہاں پہنچکر شیبانی خاں اور بائسنغر میرزا میں بے لطفی ہو گئی اور شیبانی خاں اپنے وطن کو واپس گیا۔ بائسنغر میرزا جب ادہر سے بھی مایوس ہوا تو اپنے دو تین سو خستہ حال سپاہی لیکر خسرو شاہ کے پاس قندز چلا گیا۔ خواجہ دیدار کے قلعہ میں قاصد مژدہ لیکر پہنچا اور یہ نوید سنتے ہی بابر سمرقند چلا آیا۔ راستہ میں اکا برو امرا ہر جگہ استقبال کو موجود تھے سمرقند آکر بابر تخت پر متمکن ہوا اور امرائے سمرقند پر شاہان گذشتہ کی مانند اُسنے توجہ کی۔ اپنے امرا کو بھی حسب قدر مراتبہم انعام سے شاد کام کیا۔ شہر سمرقند اور اسکے نواح کا ملک مسلسل حملوں نے بالکل تباہ کر رکھا تھا اور وہاں کے باشندے خود مدد کے محتاج تھے بابر نے بہت سخت فرمان جاری کیے کہ رعایا تاخت و تاراج نہ کیجاوے مغل تو لوٹ کی چاٹ پر ساتھ آئے تھے یہ حکم سنکر بددل ہو گئے۔ رسد جو فوج کے ہمراہ تھی وہ بھی ختم ہونے لگی۔ باہر سے رسد نہ آسکی اسلیے لشکر میں ایک ابتری پڑ گئی اور مغل سب کے سب چلدیے اوزون حسن اور احمد تنبل دو امیر بھی نمک حرامی کرکے نکل بھاگے اور باہر نکلکر یہ ستم ڈھایا کہ جہانگیر میرزا کو قبضہ میں کرکے بغاوت پر کمر بستہ ہو گئے۔ اخسی و اندجان پہنچکر بابر کے پاس

۱؎ شیبانی خاں اپنے زمانہ کا نامور اور جرار سپاہی ہے ۸۵۵ھ میں ترکستان میں پیدا ہوا اسکا باپ دادا اگرچہ امیر تھے لیکن شیبانی خاں کے ہوشیار ہونے سے پہلے انکی امارت کا دور ختم ہو گیا تھا۔ شیبانی خاں کو بچپن میں مکروہات زمانہ کا مقابلہ کرنا پڑا۔ عبد العلی ترخاں سلطان احمد میرزا بادشاہ سمرقند کا ایک امیر تھا اسکی توجہ اور تربیت سے شیبانی خاں کی حالت درست ہو گئی کچھ لوگ اسکے گرد جمع ہو گئے اور قزاقی شروع کر دی خاندان کی باہمی جنگوں میں شیبانی خاں عروج پکڑ گیا ایک بھائی کا ملک لوٹ آیا تھا اور دوسرے مخالف بھائی کی پناہ میں جا بیٹھا تھا آخر تمام ترکستان اور خراسان کا بادشاہ ہو گیا۔ بخارا اور سمرقند کا والی بنکر رہا بجز ... کے سوا اور کسی سے زیر نہیں ہوا شاہان ایران کو ہمیشہ تنگ کرتا رہا۔ ۲؎ خانزادہ بیگم بابر کی ہمشیرہ تھی جسنے بابر کو دوبارہ بلانے پر انکو آمادہ کیا +

پہنچا پہنچا کہ سمرقند ہی کے قبضہ میں [illegible] حمل چہار [illegible]
اور لینے سے بہت ہراساں ہو رہے تھے [illegible] اور اسمٰعیل باغیوں کے گروہ [illegible]
[illegible] ہو گئی [illegible] بہت [illegible] لیکن [illegible] کرتا [illegible] سب [illegible]
[illegible] چڑھائی کرتا یا سمرقند کی حفاظت [illegible] ایک [illegible]
ہزار ہی مغلوں کو [illegible] بھیجا کہ [illegible] اسکو واپس [illegible] عبدالعزیز بن حسن اور خلیل کے اشارے سے مغلوں نے
اسکو وہیں روک رکھا اندجان کو سمرقند کو جاتے ہوئے بابر علی دوست کو حاکم کر آیا تھا اسکے بعد خواجہ
مولینا بھی وہاں پہنچ گئے باغیوں نے اندجان کا محاصرہ کیا ایام محاصرہ میں خواجہ [illegible] نے اپنے
اٹھارہ ہزار روپیہ شاہی ملازموں اور انکے اہل و عیال کو کھلا دیے۔ اسی زمانہ میں بدقسمتی سے بابر سمرقند میں
سخت علیل ہوا اور مرض کی شدت یہاں تک آثار دکھانے لگی۔ چار روز تک زبان بالکل بند رہی
اور روئی سے منہ میں پانی ٹپکایا جاتا تھا۔ جو لوگ بابر کے پاس رہ گئے تھے وہ بھی اُن میں بھی
نفسی نفسی پڑی ہوئی تھی یہاں بابر بستر پر پڑا تھا اور وہاں باغیوں نے اندجان کو [illegible]
شاہی تھیں) ایسا تنگ کیا [illegible] پہنچ آئی بادشاہ کی ماں نانی اور استاد خواجہ مولینا نے خطوط
ایلچی سمرقند بھیجے اور کہلا بھیجا کہ اندجان کی بدولت سمرقند فتح ہوا ہے اگر اندجان سلامت ہے تو سمرقند
پھر فتح ہو جائیگا اور اگر اندجان ہاتھ سے نکل گیا تو سمرقند بھی سنبھالنے [illegible] جس قدر جلد ممکن ہو
یہاں پہنچو۔ بیچارے ایلچی بابر کی حالت نازک دیکھکر دم بخود ہو جاتے تھے پیام کسکو سناتے جو تعمیل
[illegible] کرتا اسی [illegible] اتفاقاً باقی [illegible] سمرقند گیا ہوا تھا [illegible] نوکروں نے بادشاہ
کی حالت [illegible] اندیشی سے اسکو دکھا دی [illegible] کہ بادشاہ [illegible] میں پڑا ہے کوئی دم کا
سمجھو۔ علی دوست کو [illegible] اس نے یہی [illegible] کیا [illegible] شہر کی حفاظت کرتے کرتے تھک گیا تھا
معاہدہ کرکے شہر کے دروازے کھولدیے۔ شہر والوں میں ابھی رسد بہت تھی [illegible] برس
کھا سکتے تھے۔ مگر علی دوست کی نامردی نے یہ روز بد دکھایا۔ اسی اثنا میں بابر [illegible] ہو
اور اندجان کے تاکیدی خطوط پڑھ کر گھبرا اُٹھا اور ضعف ہی کی حالت میں سمرقند سے چل کھڑا ہوا
بابر سمرقند سے نکلا ہی تھا کہ سلطان علی مرزا نے آکر قبضہ کر لیا جب علی دوست نے اندجان
باغیوں کو حوالہ کیا اور سمرقند بابر سے چھوٹا اندجان [illegible] چلا جاتا ہے

بابر کی پریشانی

جخند میں جب پہنچا تو یہ کیفیت سنی کہ باغیوں نے خواجہ مولانا کو قلعہ کے دروازہ پر پھانسی دیکر
شہید کر ڈالا اور تمام مال و اسباب انکا لوٹ لے گئے۔ بابر کی یہ بھی مشکل ہو گئی کہ نہیں سوا جخند کے
سوا مثل سیراں پھرتا رہا کہ کیا کرے پریشان ہو کر کبھی مرشد اپنے ماموں کے پاس تاشقند گیا اس سے
مدد لی لیکن بے سود کبھی شکست دہر رستہ ہو پھر گئی کبھی منزل مقصود پر پہنچی تا تشویش اونے ماری
اور ہم کو اور ہوا چھوڑ کر لوٹ گئے بیچ یہ آن پڑا انکار مخالفین نے جہانگیر کی ظاہری پناہ
لی تھی۔ جیسا بھائی ویسا جہانگیر۔ جب بابر انکو نامرد کو آموجود ہوئے تھے جب دوسری طرف
سے جہانگیر کا اثر پڑتا جیسے پھرتے نظر تک نہیں جیسا دو مغلوں میں اتنی سمجھ نہ تھی کہ باغیوں
کی عیاری کو پا جاتے بابر کے اکثر نوکروں کے اہل عیال اندجان میں پھنسے ہوئے تھے بادشاہ
کو ان مصیبتوں میں گرفتار دیکھکر انکے بھی جی چھوٹ گئے اور اسکی رفاقت چھوڑنے لگے چند
ہی روز میں ہمراہیوں کی تعداد گھٹکر دو تین سو رہ گئی یہ وقت بابر پر نہایت نازک تھا اس
حیثیت سے کہ یہ اسکی سب سے بڑی تباہی تھی بلکہ اس وجہ سے کہ تجربہ نے ابھی اسکا دل مضبوط نہیں
کیا تھا اور استاد زمانہ نے مصائب سے سینہ سپر ہونے کی گر ابھی اسکو نہیں سکھائے تھے اپنی قلیل
جماعت کی لیئے کبھی اندجان جاتا اور کبھی سمرقند۔ یہی سرزمین اسکی جولانگاہ بن رہی تھی۔ ہمت ایک
جگہ آرام سے بیٹھنے نہیں دیتی تھی اور اس چھوٹی سی جماعت سے خونخوار لشکر دشمن کا مقابلہ ممکن نہ تھا
سنہ [illegible] میں ایک روز اسی بادیہ پیمائی میں ابو المعالی اس زمانہ کا ایک دیرینہ سال دانشمند سے دوا اسکے
ملا بابر نے اپنی کیفیت بیان کی اور کہا کہ اب کیا کروں ان بیکسی اور بابر کے سن و سال پر نظر کرکے
ابو المعالی کا دل بھر آیا اور آنسو ڈبڈبا آئے۔ صلاح در کنار غرض بیتابی نے وہاں بیٹھنا دشوار کر دیا

حیرتی نالہ و درد دل چنداں کرد   کہ دل مایہ بدرد آمد و اغیار گریست

یہ دیکھکر بابر بھی اپنی مصیبت پر خوب رویا۔

ترقی

اس مدد غیبی کو دیکھو کہ اسی روز علی دوست کا پیامبر مرغینان سے آتا ہے اور اپنے آقا کیطرف
سے گذارش کرتا ہے کہ مجھسے بڑا قصور سرزد ہوا افسوس ہے اسکی تلافی کچھ نہیں کرسکتا مرغینان
البتہ میرے قبضہ میں ہے اگر قدم رنجہ فرمایئے تو پیش کرکے بار ندامت سے کچھ ہلکا ہو جاؤں مغرب کے وقت
یہ خبر ملی پہنچکر مرغینان یہاں سے چودہ کوس تھا۔ اسیوقت بابر نے گھوڑے کی باگ اٹھا دی اور صبح ہوتے مرغی

وقت مرغینان میں کمتر اشاد علی دوست نے جان بخشی کا عہد لیکر قلعہ سپرد کر دیا
تابل ... بات ہر کہ علی دوست پر فائز کیا پادشاہ نے یہ بھی نہیں پوچھا کہ اندجان میں تونے کیا کیا تھا
جانے کیواسطے بابر کو ذراسی جگہ درکار تھی. مرغینان پر قبضہ کرکے چند دنوں میں اخسی اور اندجان
لے لیے. رعایا ذوالنون حسن اور تنبل کی تباہ کاریوں سے بہت برہم تھی بابر کے آتے ہی دونوں کے
قدم اکھڑ گئے۔ اور ذون حسن اخسی میں مع اہل وعیال کے گرفتار ہو گیا. لیکن بابر کے عفو
عفو نے اُسکو بحفاظت قلعہ سے نکالکر حصار کیطرف رخصت کر دیا۔ تنبل جہانگیر کو لیکر اوش بھاگ
اور بابر اسکو شکست پر شکست دیتا ہوا بربادی کے کنارے پر لے آیا تھا کہ بعض نمک حرام اُس
بدقسمتی سے بابر کے دربار میں اُسوقت بھی امرا بہت مقتدر تھے. اپنے طور پر انہوں نے ایک عہد
لکھکر فرغانہ کے دو حصے کر ڈالے شرقی حصہ اوش وغیرہ جہانگیر کو دیدیا اور غربی اندجان
بابر کیواسطے رکھ لیا. بابر اس تقسیم کو کب پسند کرتا. دو بادشاہ در اقلیمی نگنجند۔ لیکن ان
نفاق پیشہ امرا نے اپنے اقتدار کا دباؤ ڈالکر اُسکو ماننے پر مجبور کیا اور وہ مصلحۃً زہر کا
گھونٹ پیکر رہ گیا

بابر کی پہلی شادی

سلطان احمد میرزا کی بیٹی عایشہ سلطان بچپن میں آئی ہوئی تھی۔ اس سے شعبان ۹۰۵ھ کو
۱۷ برس کی عمر میں بابر نے پہلی شادی کی. معلوم ہوتا ہے کہ اس بیگم کی افتادہ مزاج نے باہمی
ارتباط کی بنا ابتدا ہی سے نہیں پڑنے دی. ایک لڑکی اس بیگم کے بطن سے ہوئی
جسکا نام فخر النسا رکھا گیا تھا مگر آخر مفارقت ہو گئی۔

سمرقند میں پھر فتور مچگیا. سلطان علی میرزا اب جوان ہو گیا تھا اور اپنے امرا کے ہاتھ
میں سے نکلنے لگا اول تو انہوں نے جبراً اُسکو مطیع کرنا چاہا لیکن وہ بھی ترک بچہ تھا. سہل کب قابو
میں آتا اُسنے خود ان امرا کا زور توڑنا شروع کیا. اُنہوں نے بابر کو سمرقند پر حملہ کی ترغیب دی.
تو وہ سمرقند کی تمنا میں بیٹھا تھا خبر پاتے ہی روانہ ہو گیا اور ڈاک چوکی میں جہانگیر کے پاس پیام بھیجا کہ
اگر سمرقند فتح کر لیں تو فتح کے بعد سمرقند ہمارا فرغانہ تمہارا. بابر سمرقند کو روانہ تو ہوا مگر جس سرزمین کو
قدم اخسی میں بغاوت نے قدم جا لیے تھی. بابر نے اسطرف کچھ توجہ نہیں کی. اول تو وہ جانتا تھا کہ
... بابر کو ... وہ سلامت ہر بغاوت ہر وقت موجود ہے دوسرے ہمت بلا کی تھی کہ اسکی ...

امراء مار آستین بنے ہوئے تھے نہ تو ان سرداروں کے نفاق کے سبب تنبل کی سرکوبی کر سکتا تھا اور
نہ تنبل کے اقتدار کے سبب ممکن تھا کہ ان امراء کا استیصال کر ڈالے۔ سمرقند کو جاتے ہوئے
اُسنے یہ عزم کر لیا کہ اس مہم کے بہانہ اِن امراء کو تنبل سے دور لیجا کر سمجھ لینا چاہیئے سمرقند فتح کر کے تنبل
کو بھی دیکھ لونگا۔ اور اگر یہیں بیٹھکر بیٹھا رہا تو یہ غضب کی دو قوتیں ایک روز قیامت برپا کردینگی۔ راستے
میں اکثر امیر جو بابر کے فدائی جنکو سرکش امیروں نے علیحدہ کر دیا تھا بابر سے ملگئے اور بابر انکو بلند کر کے
مخالفوں کو پست کرتا گیا وہ اس رمز کو نہ سمجھتے مگر جب تنبل سے دور جا پڑے تھے اور تو کچھ نہ بن پڑا بابر
سے رخصت چاہی۔ اسنے بھی بجان منت کہہ کر رخصت کر دیا اور وہ جاتے ہی تنبل سے ملگئے۔ ان امراء کی علیحدگی
سے اگرچہ بابر کی لشکر کی تعداد گھٹ گئی مگر ایک ناسور جو اسکو اندر ہی اندر تحلیل کر رہا تھا نکل گیا۔ بابر جنگ
سمرقند سے آئے سلطان علی میرزا اپنے امراء کا قرار واقعی تدارک کر چکا تھا وہ خود سمرقند کے قریب آکر بابر سے
ملگئے۔ لیکن اتنی قوت انمیں نہ تھی کہ لیجا کر تخت پر بٹھا دیتے۔ بابر سمرقند کا محاصرہ کئے ہوئے تھا کہ خبر آئی
کہ شیبانی خاں بھی اس شہر کے ارادہ سے آتا ہے۔ ازبکوں کے مقابلے کی تاب کس میں تھی۔ بابر
ہٹ کر ایک اور قلعہ میں چلا گیا۔ شیبانی خاں نے محاصرہ کر کے سلطان علی میرزا کو یہ لالچ دیا کہ اگر
شہر خالی کر دو تو تمہارے باپ کا اصلی ملک تمکو دیدونگا۔ یہ خام کار شہزادہ نقد کو نسیہ کے عوض دینے
پر آمادہ ہوگیا اور ایکبار و نیچے سے شہر سے نکلکر شیبانی خاں کے پاس چلا آیا۔ وہاں پہنچتے ہی معلوم
ہوگیا کہ اجل اسکو دھکیل کر وہاں لائی تھی۔ اذا جاء القضاء عمی البصر جلاد نے سلطان
علی کی گردن اڑا دی اور تخت پر شیبانی خاں نے جلوس کیا۔ بابر کو وہ قلعہ بھی چھوڑکر بے سروسامانی
سے حصار کیطرف جانا پڑا۔ حصار پر خسرو شاہ حاکم تھا۔ اپنے ولی نعمت کے لخت جگروں کو برباد کر کے
مستقل بن بیٹھا تھا۔ مسعود میرزا کو اندھا اور بایسنغر [illegible] کر کے اس بدبخت نے اپنا راستہ
صاف کر لیا۔ بابر پھر مصیبت کے گرداب میں پھنس گیا [illegible] ملک سمرقند کی خاطر باغیوں کو
دے آیا۔ سمرقند کا ایک زبردست عقاب اڑا لیگیا۔ خسرو شاہ اپنی بدکاری پر پردہ ڈالنے کو سخی بن گیا
تھا اور جو بگڑا ہوا شہزادہ یا امیر اسکے یہاں جاتا سیر چشمی سے اسکی مدارات کیجاتی۔ یہی خیال بابر
کو حصار لیگیا۔ حصار پہنچکر وہ دور خسرو شاہ کے ملک میں گھومتا رہا۔ اسنے جھوٹوں کو بھی بات
نہیں پوچھا کہ کون ہے ع آنچہ رحم از دل برو تا نیز رفت یاد نیست * و آنچہ نسیان آورد خاصیت یاد است
اُدھر مایوس ہو کر پھر سمرقند پر طالع آزمائی کو پھرا۔ قریب آکر سنا کہ شیبانی خاں اپنے ایک افسر کو پانچ
چھ آدمیوں سے سمرقند میں چھوڑ گیا ہے اور خود تین چار ہزار آدمی سے خواجہ دیدار میں ہے۔ بابر کے پاس صرف

چالیس آدمی تھے تو ہمت نے اسپر بھی تخت سمرقند کا تقاضا کیا۔ سرداروں سے مشورہ کو بلا کر مشورہ کیا کہ شہر
سمرقند کے اوزبکوں سے مانوس نہیں ہوئے اور خاندان تیمور سے انکو لگاؤ باقی ہے۔ اگر غفلت میں ہم
شہر جا پہنچیں تو شہریوں کی مدد سے دشمن کے سپاہی بآسانی نکل سکتے ہیں۔ بابر نے لکھا ہے کہ انہی
روزوں میں نے ایک عجیب خواب دیکھا کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار تشریف لاتے
ہیں میں استقبال کو بڑھا خواجہ صاحب آکر بیٹھ گئے اتنے ہی میں ایک شامت کے مارے خدمتگار نے
میلا سا دسترخوان انکے سامنے لا بچھایا۔ اسکی کثافت خواجہ صاحب کو ناگوار ہوئی۔ خواجہ بابا (ایک
دوسرے شخص) نے میری طرف اشارہ کیا میں نے معذرت کی کہ خدمتگار کی خطا ہے میرا قصور نہیں۔ خواجہ
صاحب اس معذرت سے خوش ہوئے اور چلتے ہوئے میرا ایک بازو پکڑ کے مجھے ایسا اٹھایا کہ میرا ایک
پانوں زمین سے اٹھ گیا۔ اسکے بعد فتح سمرقند کی بشارت دی۔ نماز ظہر کے بعد بابر سمرقند پر ایلغار
کی نصف شب کو شہر کے نیچے پہنچا پل مغاک کے پاس سے، وہ چیدہ جوان بھیجے کہ غار عاشقاں کے
پاس زینہ لگا کر فصیل پر چڑھ جائیں اور دروازہ فیروزہ پر قبضہ کرکے کہلا بھیجیں۔ جانباز جوانوں نے اس
حکم کی خوب تعمیل کی اور دروازہ کا کھلنا فتح فیروزی کی تمہید تھی۔ بابر شیر کیطرح شہر میں در آیا اور دوبارہ
تخت سمرقند پر بیٹھکر قند مکرر کا لطف اٹھانے لگا۔ شہر والوں کو یہ منہ مانگی مراد ملی تو آ آکر نذریں پیش
کرنے لگے۔ شہر کی بے فکری اوزبکوں پر ٹوٹ پڑی۔ چار سے پانسے اوزبک دم کے دم میں کاٹ پھینکے گئے
شیبانی خاں کا نائب طلوع کیوقت اپنے آقا کی خدمت میں پہنچا۔ یہ ماجرا سنکر ڈیڑھ سو منتخب سپاہی لیکر شیبانی
خاں آیا۔ مگر دروازوں کو مضبوط اور دربانوں کو مستعد پا کر لوٹ گیا۔ بابر شیبانی خاں کے حرکات سے
اسکے ارادوں کو سمجھ گیا تھا۔ چاروں طرف ایلچی یہ پیام لیکر پہنچے کہ شیبانی خاں تمام نسل تیمور کا دشمن
ہے اور روز بروز اسکا زور بڑھتا [illegible] اسوقت موقع ہے کہ ہم جمع ہو کر اسکی قوت کو توڑ لیں۔
کمک تو کہیں سے نہ آئی شاید یہ پیام [illegible]ی پر محمول ہوا ہوگا۔ چاروں طرف کی رعایا البتہ بابر
کیطرف متوجہ ہو گئی۔ جابجا قلعوں سے اوزبکوں کو نکالدیا اور قرب و جوار کے شہر والوں نے بلا بلا
کر بابر کے ملازموں کو اپنے شہر سونپ دیئے۔ شیبانی خاں کے پاس فوج تھوڑی تھی یہ اندیشہ کر کے بابر مدت سے
خار کھائے بیٹھا ہے ایسا نہ ہو کہ اس کامیابی کے موقع پر بخار نکالنے ٹوٹ پڑے بخارا چلا گیا۔
آئندہ فصل بہار میں اوزبک سردار نے پھر حملہ کیا بابر نے کوشش کر کے کچھ فوج فراہم کر لی
تھی اور اس قابل ہو گیا تھا کہ اس شہر سے باہر نکلکر اوزبکوں سے جا بھڑا۔ اس حملہ میں کسیقدر جلدی
بابر کیطرف سے ہوئی اور اسکی سزا میں زک ملی۔ بابر نے اس جلدی پر بہت ہی تاسف کیا ہے اور لکھا ہے

کہ مناسب صلح کا پہلو اختیار کرنا اسکا نام تجربہ ہے۔ شکست کے بعد بابر کو محصور ہونا پڑا اور پہر
محصور ہونے میں رسد بٹنے کی جو آفت عموماً پڑتی ہے اسپر میں پڑی۔ لوگ شہر کے اکثر کتے اور گدہے
کہا گئے۔ گہوڑوں کو لکڑی کا برادہ بھگو بھگو کر کھلا دیا۔ تجربہ سے معلوم ہوا کہ شہتوت کے پتے گہوڑوں کو
بہت موافق تھے۔ اس نصیب رسد سے کب تک بسر ہوتے۔ لوگ گہبرا اُٹھے۔ اور فصیلوں سے
کود کود کر بہاگنا شروع کیا۔

سمرقند پھر ہاتھ سے نکل گیا

شیبانی خاں نے موقع پاکر صلح کا پیام بھیجا۔ بابر اس پیام سے نفع اُٹھا کر آدہی رات کو شہر سے نکل آیا۔
لیکن اس آشفتگی اور سراسیمگی سے نکلا کہ اُسکی بڑی بہن خانزادہ بیگم دشمن کے قبضہ میں پھنس گئی اور
بعد کو شیبانی خاں نے اس سے نکاح کر لیا۔ راستہ میں دو سرداروں نے گھوڑا دوڑایا۔ اسکا گھوڑا اگلا
دیکھنے کے واسطے کہ حریف کتنے پیچھے ہیں۔ بابر کا پھر تنگ ٹوٹ گیا تھا۔ پھرتے ہی سر کے بل زمین
پر آرہا۔ دماغ پر سخت صدمہ پہنچا اور تمام دن بدحواسی طاری رہی۔ بابر اس قصہ کو لکھکر کہتا ہے کہ ایسے
واقع اور حادثے پے درپے ٹوٹ رہے تھے۔ لیکن بالکل خواب و خیال معلوم ہوتے تھے۔ پڑتے تھے اور گذر
جاتے تھے۔ بابر کی قسمت پھر سرگردانی میں گھسیٹ لائی۔ اسی بادیہ گردی میں ایک گاؤں میں پہنچا او
مقام عبرت ہے کہ فرغانہ و سمرقند کا بادشاہ ایک مقدم کے گھر میں ٹھیرا۔ مقدم کی عمر ستر اسی برس کی تھی
او ماں ابھی زندہ تھی۔ بڑی بی ایک صدی سے بھی ۱۱ برس بڑھی تھیں۔ ان کے بیٹے بیٹی پوتے پوتی وغیرہ
ہو شخص اس گاؤں میں موجود تھے اور اگر عورتوں کے شوہر اور مردوں کی عورتیں بلائی جائیں تو
دو سو پر نوبت پہنچتی۔ غالباً بڑی بی کی اس برکت نے بیٹے کے مقدم ہونے میں بہت مدد دی ہوگی۔ بڑی
بی کے پوتے کے پوتے کی عمر پچیس برس کی تھی۔ فرغانہ و خجند میں گاؤں کے قریب پہاڑ پر ننگے پاؤں
پہرا کرتا تھا۔ ننگے پاؤں پہرتے پہرتے یہ نوبت ہوگئی تھی کہ "سنگ و کوہ تفاوت نمی کرد"۔ ایک دفعہ سنا
کہ شیبانی کا لشکر خیمہ پر دھاوا کرنے جاتا ہے۔ چونکہ قریب ہو کر نکلا۔ بابر اسکے تعاقب کو تیار ہو گیا۔ موسم بہت
سرد تھا۔ اور برف کثرت سے پڑ رہی تھی۔ اثنائے راہ میں ایک چشمہ ملا کہ کنارے پر تو برف کا سکہ بیٹھا
ہوا تھا لیکن پانی نے اپنی تیزی اور چالاکی سے اپنے اوپر برف کا نقشہ نہیں جمنے دیا۔ بابر کو گویا
تفریح کا سامان مل گیا۔ اور چشمہ میں کود پڑا اور جب تک ۱۶ غوطے نہیں لگا لئے باہر نہیں نکلا۔ ان
جزوی حکایتوں سے اس نامور بادشاہ کی جبلت و خصلت کا پتہ لگ سکتا ہے۔ یونان کی تاریخ میں ایک

ے شیدا کی ایک حکایت بیان کیگئی ہے۔ دلدادہ اور دلربا کے شہروں کے درمیان آبنائے ڈاردانلز
وسط یورپ و ایشیائے کوچک) حائل تھی۔ جانباز شیدا ہر شب آبنا کو تیر کر کوئے دلدار کو جایا کرتا تھا
یر واپنے شہر کے ایک منارہ پر بیٹھکر شمع دکھایا کرتی تھی تاکہ اسکا عاشق اسکی سیدھ میں چلا
ئے ایک رات سنگدل طوفان نے آلیا۔ اور تفتہ جگر ڈوب گیا۔ اس جانباز کی قدر افزائی اور
دگار کے لیئے یورپ کے من چلے اب بھی اس آبناء کو تیرا کرتے ہیں۔ اس مقام پر آبنا کی فراخی ایک
یل ہے۔ ہمارا ہیرو جب ہندوستان پر حملہ آور ہوا تو سندہ سے لیکر گنگا تک تمام ذخار دریاؤں کو تیر کر اترا
ور اسکو اسنے فخر سے اپنے حالات میں بیان کیا ہے۔ آمدم بر سر مطلب۔ اسی عرصے میں بابر نے پامردی سے
فسی پر قبضہ کر لیا۔ جہانگیر بھی تنبل کے چنگل سے نکل گئے
جس وقت بابر اپنے دشمن تنبل سے لڑکر اخسی سے نکلا ہے تو صرف
تیس آدمی ہمرکاب تھے۔ اور دشمن کے سوار ہنوز اسکے ہمراہیوں کو گرفتار کرتے
چلے آتے تھے۔ اسی میں عقب میں ابراہیم بیگ نے بادشاہ کی دہائی دی۔ بابر نے جو لوٹ کر دیکھا
تو ایک غنیم کا سپاہی اس سے چمٹا ہوا تھا۔ وقت اگرچہ بہت نازک تھا مگر اسکی مدد کو بابر نے باگ
پھیر ہی دی۔ میاں قلی اور خان قلی دو امیروں نے بڑھ کر گھوڑا روکا اور عرض کیا یہاں اپنی جان
لیکر بھاگنا مشکل ہے۔ دوسروں کی مدد دینے چہ۔ خدا کے لیئے اسطرف نہ جایئے۔ بابر کو لوٹنا پڑا۔ اخسی سے
دو کوس پر جاکر کہیں غنیم نے پیچھا چھوڑا۔ اب بابر سمیت صرف ۸ آدمی رہ گئے۔ تھوڑی دیر
میں کوئی ایک سپاہی محسوس ہوئے۔ بابر سب کو ایک چٹان کی آڑ میں کرکے خود دیکھنے کو اوپر چڑھ
گیا۔ معلوم ہوا کہ دشمن کے سوار ہیں۔ وہاں سے بھی بھاگے۔ خان قلی نے بادشاہ سے کہا کہ یوں
بھاگنا ٹھیک نہیں۔ ان آٹھ گھوڑوں میں سے دو تازہ دم گھوڑے چھانٹ کر حضور اور میرزا
قلی سرپٹ کر جائیں۔ یوں شاید جان بچ جائے۔ ورنہ دشمن نے آلیا۔ مصلحت وقت یہی تھی لیکن
بابر کی غیرت نے تقاضا نہ کیا کہ مصیبت میں اپنے رفیقوں کو چھوڑ دے۔ اس صلاح پر عمل کرنے
سے اسنے قطعاً انکار کیا۔ تھوڑی دور چلکر بادشاہ کا گھوڑا بے دم ہوگیا۔ خان قلی نے اتر کر
اپنا گھوڑا پیش کیا۔ بابر اپنے گھوڑے سے کود کر اسپر ہو رہا۔ دشمن نے آکر تین سردار اور گرفتار کر لیئے۔ اب
بابر کے ساتھ صرف تین آدمی باقی ہیں۔ تھوڑی دور پر دوست بیگ کا گھوڑا بھی رہ گیا۔ اور چلکر بادشاہ
کا یہ گھوڑا بھی ہانپنے لگا۔ قنبر علی نے حق خدمت ادا کرکے اپنا گھوڑا اندر کیا اور بابر اسپر سوار ہو لیا۔ اب صرف
بابر اور میرزا قلی رہ گئے۔ تھوڑی دور اور چلے تھے کہ میرزا قلی کے گھوڑے کی باری آئی۔ بادشاہ نے کہا کمبخت تم

چھوڑ کر کہاں جاؤں یہ کہکر اپنے گھوڑے کو آہستہ کر لیا میرزا قلی نے کہا کہ حضرت اگر آپ میری فکر میں رہے تو آپ بھی گرفتار
ہو جائینگے اپنی فکر کیجئے شاید خلاصی ہو جائے آخر میرزا قلی بھی چھٹ گیا بابر تنہا چلا جاتا ہے کہ دو دشمن کے سوار دوڑ آگیا
اور قسمت کا کھیل کہ گھوڑے کا دم بھی پھولنے لگا۔ ایک پہاڑ سامنے سے نظر آیا بابر کو اپنے پاؤں پر پورا اعتقاد تھا یہ سوچکر کہ
پیدل پہاڑ میں کسی طرف نکل جاؤنگا گھوڑا برابر بڑھائے گیا۔ بندہ علی اور بابا بیسری وہ دونو سوار بھی چلے آتے تھے مگر بابر کے تیر
کے ڈر سے ایک گولی کے ٹپہ پر۔ سواروں نے جب دیکھا کہ یہ ظالم کسیطرح رکتا ہی نہیں تو اونہوں نے کہا کہ
جہانگیر اور ناصر میرزا دونو گرفتار ہوگئے۔ یہ خبر سنکر وہ مضطرب ہوا کہ ہم سب اگر دشمن کے بس میں آگئے تو جو
آس بندہ رہی ہے وہ بھی تو ٹوٹ جائیگی۔ لیکن انکو کچھ جواب نہیں دیا اور برابر گھوڑے کو بڑھاتا رہا آخر
وہ دونو عیار گھوڑوں سے اوتر پڑے اور چاپلوسی کی باتیں بنانے لگے۔ بابر خوب سمجھتا تھا کہ یہ جفا کار باتوں
میں لگا کر میرا راستہ کھوٹا کیا چاہتے ہیں کان انکی باتیں سنتا رہا مگر ہاتھ برابر گھوڑے کے ہانکے جاتی تھی۔ سامنے
سے ایک چٹان نے بابر کا گھوڑا روکا دیکھا تو دوسری جانب بھی راستہ نہیں ہے اب دشمنوں نے کہا کہ
رات اسقدر تاریک راستہ مخدوش آخر اس جان مارنے سے نفع کیا۔ آپ لوٹ کر تنبل کے پاس چلے چلئے
وہ آپ کو تخت پر بٹھا کر خدمتگاری کو موجود ہے۔ بابر پر ایسے افسوں کب اثر کرتے تھے اُسنے کہا یہ تو
خرافات ہے اگر کچھ خیر خواہی میرے ساتھ کیا چاہتے ہو تو یا مجھے تاشقند کا راستہ بتا دو کہ اپنے ماموں
کے پاس چلا جاؤں یا مجھکو بحال خود چھوڑکر لوٹ جاؤ۔ اونہوں نے جواب دیا کہ کاش ہم نہ آئے ہوتے اور اب
آگئے ہیں تو آپ کو بلا میں چھوڑ کر کس دل سے لوٹ جائیں۔ اپنی منتر کو موثر بنانے کے واسطے اونہوں نے
شدید قسمیں کھائیں۔ بیدل بابر کو فی الجملہ اطمینان ہوا اور پیادہ پا انکے ساتھ چلنے لگا چند قدم پر
چلکر کچھ سوچا اور انکو آگے کر لیا۔ بابر پہلے ہی دریافت کر چکا تھا کہ آگے ایک سڑک ملیگی اور وہی منزل
مقصود کی راہ ہے بابر سڑک پر پہنچا۔ لیکن وہ چالاک دھوکہ دیکر اسکو دوسری طرف لیگئے صبح ہوتے
ٹھکانے پر پہنچکر کہنے لگے کہ ہم رستہ بھول گئے۔ سڑک تو پیچھے رہ گئی۔ بابر یہ سنکر متردد ہوا کہ صبح ہونے
آئی آبادی قریب اور منزل مقصود کا پتہ نہیں۔ آخر تینوں دن کاٹنے کے لیئے ایک پشتے کی آڑ
میں ہو رہے۔ جس آبادی کے قریب بابر کی گردش تقدیر لیگئی تھی۔ بندہ علی اسکا حاکم تھا۔ بابر سے یہ کہکر
کہ حضور کیواسطے خاصہ اور گھوڑوں کے لیئے دانہ چارہ حاضر کرتا ہوں ایک قصبہ کو چلا گیا وہاں سے جب
بڑی دیر میں پیر مرشد لوٹے تو دانہ چارہ ندارد تھا خاصہ البتہ لائے اور وہ کیا صرف تین روکھی
روٹی۔ ان میں سے بھی ایک ہی بادشاہ کے حصہ میں آئی۔ بادشاہ سلامت اپنی روٹی
بغل میں دبا چپکے سے پھر پشتے کی آڑ میں آبیٹھے۔ نصف شب کو وہ شریر لطائف الحیل سے بابر کو

قصبے کے ایک باغ میں لے آئے۔ تنبل کے پاس قاصد پہلے دوڑا چکے تھے کہ بابر کو قابو میں کر لینے کا موقعہ ہے۔ بابر باغ میں جا پہنچا تو سردی بہت تھی ایک شکستہ پوستین ملگئی اُسکو پہن کر آتشدان کے پاس سو رہا۔ صبح کو باباشبراتی نے جو پہرہ پر تھا آکر عرض کی کہ یوسف داروغہ حاضر ہے۔ یوسف داروغہ دشمن کا ملازم تھا۔ اُسکا نام سنتے ہی بابر فکر میں ڈوب گیا۔ اور اُسکے بے چین خیالات نہ معلوم کہاں سے کہاں جا پہنچے۔ اتنے میں یوسف داروغہ بھی آگیا۔ اور آتے ہی کہنے لگا کہ آپ سے کہاں چھپیں آپکے دشمن بابر بدبیگ کا بھیجا ہوا آیا ہوں۔ سنتے ہی بابر کے ہوش اُڑگئے۔ ملک و سلطنت عزیز قریب سب دشمنوں کے پنجے میں تھے۔ آیندہ فلاح کی اگر کچھ توقع تھی تو صرف اپنی اکیلی جان کے بھروسے پر اب اُس سے بھی مایوسی ہوئی جاتی ہے۔ فرط اضطراب میں کہنے لگا کہ اگر ارادہ کچھ اور ہی تو مجھکو وضو کر لینے دو۔ یوسف داروغہ قسم کھانے لگا۔ اسوقت اُسکی قسم پر اعتماد کرنا بابر کی قوت سے خارج تھا۔ اپنے جو دل کو ٹٹولا تو نہایت ضعیف پایا۔ طبیعت کو سنبھالنے کے لیے باغ کو ایک گوشہ میں چلا گیا اور دلکو یوں تسلی دی کہ اگر دنیا میں سو برس رہے تو بھی ایک روز مرنا ہے۔ پھر بیتابی اور پریشانی بے سود ہے۔ آخر بابر ان کینہ خواہوں کے پنجے سے نکلگیا۔ دشمنوں کے غلبہ اور انتظام نے ماموں کے پاس تک رسائی نہ ہونے دی اور سال بھر تک بدخشان کے کوہستان میں بیکسانہ اور تنہا ٹکریں مارتا رہا۔ ع زین غم کہ بکس نیتواں گفت با شبہا است کہ غمگسار خویشم۔ اسمدتمیں غیر کو بہت جلد معلوم ہوگیا۔ کہ شیبانی خاں کا مردمیدان اگر تھا تو بابر۔ بابر تو اس دشت نوردی میں رہا وہاں شیبانی خاں تنبل اور اسکے اقران کو نیست و نابود کر کے فراغت سے فرغانہ پر متصرف بن بیٹھا۔ خود بابر کے ماموؤں کو اُسنے قید کر لیا۔ اور سلطان محمود خاں رہائی پاکر اس ذلت کے صدمہ سے گھل گھلکر مرگیا۔ اُدھر شیبانی خاں بام عروج پر انا ولاغیری کا دم بھرتا تھا اور ادھر جائے عبرت ہے کہ یہی مقولہ عجیب طور پر بابر کے بھی حسب حال تھا کیونکہ بدخشان کے سنسان کوہستان میں غیر کا کوسوں نشان نہیں تھا۔

افغانستان پر یورش

سنہ ۱۵۰۴ء بابر کے قدم تخت کے واسطے بنے تھے۔ اگر تخت پر نہ تھے تو ان کو نہ طلب ہی تھی ضرور تھا سال بھر کے بعد یہ شہر کوہستان سے پھر نکلا۔ آکسس سے شمالی کنارے پر اس کوہستان

جنوب میں ترمذ ایک شہر ہے۔ کوہستان کے شمالی جانب تو اوزبکوں کی وجہ سے جا نہیں سکتا
پہاڑ سے نکلکر ترمذ چلا آیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسوقت زمانہ یہہ فیصلہ کر چکا تھا کہ وسط ایشیا کی
اولاد تیمور کی حکومت اٹھادی۔ سمرقند۔ بخارا۔ اور فرغانہ کے ماجرے تو آپ نے سن ہی لئے
کابل پر الغ بیگ (بابر کا چچا) حکمران تھا۔ اسکا انتقال ہوا۔ وارث تخت صغیر سن تھا۔ امرا میں
نیابت کی بابت نزاع ہوا۔ نیابت درکنار خود ملک کھو بیٹھے۔ قندہار میں سلطان حسین میرزا
بادشاہ خراسان کیطرف سے ذوالنون ارغون حاکم تھا۔ کابل کے جھگڑے کا قصہ سنکر اپنے بھائی مقیم
کو کابل میں بھیجا۔ مقیم نے کابل پر قبضہ کر لیا۔ اور قبضے کو کامل کرنیکے واسطے میرزا الغ بیگ کی بیٹی سے شادی
کر لی اسطرح کابل سے بھی خاندان تیمور محروم ہو گیا یہی زمانہ ہے۔ بابر کے ترمذ پہنچنے کا۔ وہاں محمد باقی
خسرو شاہ کا بھائی والی تھا اوزبکوں کی دہشت سے محمد باقی کا دم فنا ہو چکا تھا۔ اور ہر وقت
بھیانک صورت بربادی کی اسکی آنکھوں میں گھومتی تھی۔ بابر کو پناہ سمجھکر اسنے نہایت تپاک
سے لیا۔ بابر کو اس مخلصانہ مدارات سے بہت تقویت ہوئی۔ اور اس سے مشورہ کیا کہ اب کدھر جانا
چاہئے اور کیا کرنا مناسب ہے۔ محمد باقی نے یہ اشعار پڑھے ؎ نداری اگر با عدو زور جنگ * طریق
مدارا گزیں بیدرنگ * مگر ملکش بجائی نما انتقال * کہ یک چند فارغ شوی از قتال * اور پھر
کابل کا قصہ کہہ سنایا بابر نے یہ سنکر کابل پر یورش کی عزیمت کر لی۔ محمد باقی بھی ساتھ ہو لیے
جب ترمذ سے چلا ہے تو صرف دو سو تین سو آدمی ہمراہ تھے ع پریشان جمعی و جمعی پریشاں با
پیدل ہاتھوں میں تلوار کی جگہہ سوٹے لشکر بھر میں صرف دو ڈیرے تھے۔ ایک بادشاہ کا تھا ایک میں
اسکی ماں ٹھیری تھی۔ اور بادشاہ سلامت بے ڈیرے کے میدان میں بسر کرتے تھے۔ رسد کا
کچھہ بند و بست محمد باقی نے اپنی گرہ سے کر دیا تھا۔ ترمذ سے یہ باشان و شوکت لشکر نکلکر خسرو شاہ
کی عملداری میں ٹھیرا۔ خسرو شاہ پر ولی نعمت زادوں کے اندھے اور قتل کرنیکی لعنت اب بس
رہی تھی اور اوزبکوں کے خوف سے اپنا لشکر ادھر سے ادھر لئے بھاگا پھرتا تھا۔ اسکی شامت اعمال اور
بابر کے اقبال سے دونوں لشکر کسی موقع پر جمع ہو گئے بابر نے جو اسکے لشکر کی نبض پر ہاتھ رکھا
تو پایا کہ تمام لشکر خسرو سے برگشتہ اور شاہی خدمت پر مائل ہے۔ خود خسرو شاہ بھی کورنش کے واسطے
حاضر ہوا۔ دو تین ہی روز میں اسکی سب فوج ٹوٹ کر بادشاہ سے آملی اور خسرو شاہ ہکا بکا رہ گیا۔
میرزا خان بابر کے ہمراہ تھا۔ اس نے اپنے بھائیوں کا قصہ یاد دلاکر قصاص کا دعوی کیا۔ بابر خسرو شاہ
سے جان بخشی کا عہد کر چکا تھا۔ اسکو گوارا نہ لیکن کسی وعدہ ماندگی میں اس سے عہد شکنی کرے خسرو شاہ

کو اجازت دی کہ اپنا مال جسقدر لیجاسکے لیجائے۔ انہی تمام جواہرات نقد او نٹوں پر لادکر خسرو شاہ لے گیا۔ صرف خیمہ وغیرہ بابر کو ملے اس مدد غیبی کو لیکر بابر نے کابل آگھیرا۔ مقیم کچھ روز تو مقابلہ پر قایم رہا۔ آخر امراء کو بیچ میں ڈالکر حاضر ہوگیا۔ بادشاہ نے اسکی تشفی کی اور وعدہ کیا کہ کل تمہارا سب مال و اسباب بحفاظت نکلوا دیا جائیگا۔ اگلے دن جہانگیر اور ناصر میرزا کو حکم دیا کہ مقیم کو شہر تک پہنچا اور خسرو شاہ کے نوکر ظلم اور رہزنی کے عادی ہو رہے تھے اُن سے کب ممکن تھا کہ مقیم کا مال یوں ہاتھ سے نکلجائے۔ یہ لوٹ پر آمادہ ہوگئے۔ جہانگیر اور ناصر نے کہلا بھیجا کہ یہ لوگ ہمارے قابوں کے نہیں آپ خود تکلیف کریں۔ بابر نے جو آکر دیکھا تو خاصہ بلوہ ہو رہا تھا آتے ہی خود دو چار کے تیر مارے دو ایک کے سر قلم کرائے۔ جب یہ طوفان بے تمیزی تسکین پذیر ہوا تو مقیم نے آرام سے قندھار کی راہ لی۔ یہ بات غور کے لایق ہے کہ خسرو شاہ کی فوج سے الغ بیگ کا ملک لے کھسکے ملگیا اور ۱۱ برس اپنے باپ دادا کے ملک پر ذاتی فوج سے جان ماری اور کچھ نہ ہوا ؎

خدا گر بحکمت بہ بندد درے ٭ بکشاید بلطف و کرم دیگرے ٭٭

خراسان کا سفر

سنہ ۹۱۱ھ ماوراء النہر فتح کرنے کے بعد اوزبکوں کی ترکتاز خراسان پر ہونے لگی۔ بابر نے پانچ برس اُدھر سمرقند میں بیٹھکر حسین بیشین گوئی سے مدد مانگی تھی۔ اُسکا یقین اب فرمانروائے خراسان ہونے لگا۔ مگر اب شیبانی خاں کا زیر کرنا ایسا آسان نہ تھا۔ سلطان حسین میرزا اگرچہ بوڑھا ہوگیا تھا مگر شاہانہ عزم کے ساتھ ایکدفعہ اور اوزبکوں کے مقابلے میں تلوار لیکر کھڑا ہوگیا۔ اپنے بیٹوں کو صوبوں سے بلالیا۔ بابر سے بھی مدد کی درخواست کی۔ بابر کا اقتدار بھی افغانستان کی سرکش جرگوں پر اچھیطرح نہیں ہوا تھا۔ کہ خراسانی ایلچی پہنچا۔ اُسکی موجودہ ذاتی مصلحتیں خراسان جانے کے خلاف تھیں اور اگر بابر میں قوت انتقام کشی ہوتی تو سمرقند کا واقعہ یاد دلاکر سلطان حسین میرزا کو جواب خشک بھیجدیتا۔ لیکن وہ یہ خوب سمجھتا تھا کہ آج خراسان پر اوزبکوں کی تنگ ہو رہے تو کل کابل کی باری آجائیگی۔ بہتر ہے کہ اسوقت متفق ہوکر دزبک مغلوب کردیئے جائیں۔ کابل کا بندوبست کرکے خراسان کا سفر کیا۔ راستے میں سے سلطان حسین میرزا کو اپنے آنے کی اطلاع کی ایلچی نے لوٹ کر خبر دی کہ ۱۱ ذی الحجہ سنہ ۹۱۱ھ کو سلطان حسین میرزا کا انتقال ہوا۔ بابر کچھ تو خراسانی شہزادوں کی پاس قرابت کے سبب اور کچھ اور مصالح کی لحاظ سے انکو وہ بیان نہیں

کرتا ہے) خراسان کو ٹپتا چلا گیا۔ خراسانی شہزادوں کی شگفتہ وضعیں حیا سوز مفاسد پر (جو آجکل کی
پولیٹکل دنیا میں بھی ایک ضروری چیز ہے) اسوجہ سے چلنے پڑی تھیں۔ بابر جب قریب پہنچا تو شہزادے
استقبال کر کے لشکر میں لیگئے۔ تیموری نسل کا یہ عجیب اور آخری مجمع تھا۔ اگر بابر سے تجربہ کار کے ہاتھ
میں اسکی کمان ہوتی تو بیشک وہ معرکے کر سکتا تھا جو صدیوں تک تاریخ کے صفحوں کو روشن رکھتی
افسوس یہہ کہ نازپروردہ خود مختار شہزادوں کی ماتحتی میں یہ لشکر بیکار ہو رہا تھا۔ ازبکوں
کے چار سو پانسو آدمیوں کے مرغول مرغاب کے قریب تاخت تاراج کر رہے تھے۔ ان شہزادوں
سے ان کا بندوبست بھی نہ ہو سکا۔ بابر کو ان بدعنوانیوں کی تاب کہاں تھی۔ فوراً ازبکوں کی
گوشمالی کو تیار ہوگیا۔ مگر مہمانی نے اسکو بٹھا رکھا۔ زمانہ دیدہ شیبانی خاں خوب جانتا تھا کہ یہ
مجمع تین دن کی چاندنی ہے۔ اسوقت طرح دیکر سمرقند چلا گیا۔ موسم زمستان بھی آ پہنچا عیش پسند
شہزادوں کو جام ارغوانی اور ساقی پریچہرہ یاد آئے۔ قشلاق کے بہانہ یہہ فوج آن واحد میں منتشر
ہوگئی۔ شہزادہ بدیع الزمان میرزا نے بابر سے ہرات چلنے کا اصرار کیا۔ معاملات کابل اسکو اپنی
طرف کھینچتے تھے۔ لیکن شوق ہرات بابر کو ادہر لیگیا۔ شہر ہرات کو اس زمانہ کی سی رونق دنیا کو
شاید کم نصیب ہوئی ہوگی۔ سلطان میرزا کی چہل سالہ پُرامن حکومت نے اور میر علی شیر کی
قدردانی نے کمال اور خوبی سے شہر ہرات کو بھر دیا تھا۔ ہر طرف کے باکمال وہاں جمع تھے
اور شہر ہرے بھرے باغ کیطرح شگفتہ ہو رہا تھا۔ بابر نے سیر کی خوب لطف اٹھائے ایک
روز سلطان احمد میرزا کی بی بی بابر سے ملنے آئی۔ اسکی بیٹی معصومہ سلطان بیگم بھی انکے ساتھ
تھی ؎ عشق آں خانماں خراب ہست * کز را آورد بخانۂ ما۔ بابر کی نظر جو اس ملایک فریب
صورت پر پڑی بیتاب ہوگیا۔ اور جائے حیرت ہے کہ اس حوروش لڑکی نے ایک نظر میں وہ
دل فتح کر لیا جو اتنے بلا خیز معرکوں میں ثابت قدم رہا تھا۔ آخر بے چین ہو کر چچی کو پیام دیا اور یہ طے ہوئی
کہ ماں بیٹی دونو کابل آئیں اور وہاں نکاح ہو جائے۔ معصومہ سلطان بیگم کابل آئی اور بابر نے
اُس سے نکاح کیا۔ ایک لڑکی بھی ہوئی مگر اسی مرض میں یہ بیگم داغ مفارقت دیگئی۔ بابر نے یادگار کیلئے
اس لڑکی کا نام معصومہ سلطان بیگم رکھا۔ عائشہ سلطان بیگم اسکی بڑی بہن تھی۔ مگر اُس سے مفارقت
کے بعد یہہ نکاح ہوا۔

افغانستان کی برف سے پالا پڑا۔ شہزادے اگرچہ اصرار سے بابر کو ہرات لیگئے تھے مگر عیش میں پڑکر
اپنے محترم مہمانوں کو بھول گئے اور رسد کی دقت ہونے لگی۔ برف بھی کثرت سے پڑنی شروع ہوئی۔

افغانستان و خراسان کی کوہستانی سرحدیں ہی رہیں ابن ثلج نے سفید کردی ہیں بابر نے دیکھا
کہ یہ سد سکندری اسکو مفتوح ملک الاعدا کے جنگجو فرقوں سے جدا کئے دیتی ہیں۔ انھیں
نے ہرات کی کیفیت بالکل بدمزہ کردی اور اسکو ہرات چھوڑنا پڑا۔ جنگل کثرت برف سے
سفید چادر ہو رہا تھا۔ اکثر مقاموں پر برف گھوڑے کی ران کے برابر تھی۔ برف جب گرنی شروع ہوتی تھی
تو بالکل روئی ہوتی تھی۔ اور نہ پتھر کی طرح سخت۔ آدمی پاؤں رکھتے ہی بیشتر کو دھنس جاتے تھے۔ بابر جتنا
آگے بڑھا برف کی مصیبت بڑھتی ہی گئی۔ ایک خیر ہوئی کہ راستے میں غلہ افراط سے ملگیا اور بابر نے
اسکو قیمت خرید لیا۔ ورنہ بھوک اور برف دو دشمنوں سے مقابلہ مشکل ہوجاتا۔ لشکر امیر غیاث پہنچکر
مشورہ کیا کہ کس راستے سے چلنا چاہیئے۔ ایک راستہ گرم سیر قندھار ہوکر کابل جاتا ہے۔ اسمیں
پھیر بہت ہے۔ مگر برف کی آفت سے نجات ملجاتی ہے۔ دوسرا راستہ سیدھا کابل آتا ہے۔ یہ قریب
ہے اور برف سے معمور بلکہ ویران۔ بابر کی رائے تھی کہ قندھار ہوکر چلیں۔ قاسم بیگ نے کہا
کہ وہ راستہ بہت چکر کا ہے ہمت باندھ کر سیدھے نکل چلیئے قاسم بیگ کی یہ رائے گو تکلیف دہ
ثابت ہوئی لیکن دور اندیشی پر مبنی تھی۔ بابر اگر جلد کابل نہ پہنچتا تو محمد حسین کا بلوہ دوسرا
رنگ پکڑ جاتا۔ اور سخت دشواری پیش آتی۔ بابر نے طوعاً کرہاً اس رائے کو مانا اور ایک رہبر کو
لیکر سیدھا کابل چلا۔ راستہ اور جنگل سبکو برف اپنی چادر میں چھپائے ہوئے تھی۔ راہبر کو راستہ
کیونکر معلوم ہوتا خود بہک گیا اور اسکے پیچھے اور بھی گمراہ ہوگئے۔ برف کیوجہ سے گھوڑوں
کے پاؤں زمین تک نہیں پہنچتے تھے اور قطع مسافت غیر ممکن ہوگیا۔ قاسم بیگ کو اپنی رائے
کی ذمہ داری یاد آئی۔ پیادہ پا ہوکر راہ صاف کرنے لگا۔ اسکے چودہ عزیز و قریب بھی شریک ہوگئے شاہ
بابر بھی گھوڑا چھوڑ کر ان میں جا ملا۔ یہ شانزدہ سولہ تن راستہ صاف کرتے تھے اور تمام لشکر پیچھے گردن جھکائے
چلا آتا تھا۔ راستہ صاف کرنے کا یہ طریقہ تھا کہ سولہ آدمی آگے پیچھے قطار باندھ کر ایستادہ ہوجاتے تھے
ان کے یوں کھڑے ہونے سے برف اتنی دب جاتی تھی کہ ایک گھوڑا کھڑا ہوسکے اسکے بعد اس خالی جگہ میں ایک
کوتل گھوڑا کھینچا جاتا۔ دس پندرہ قدم چلکر گھوڑے کو آگے چلنے کی طاقت نہیں رہتی تھی۔ اسکو ہٹاکر
دوسرا گھوڑا کھینچتے تھے۔ اسطرح یہ سولہ جوانمرد اپنی قوت بازو اور اپنے گھوڑوں کی مدد سے صبح سے شام
تک ڈیڑھ میل راستہ تیار کرکے لشکر کو بڑھاتے تھے۔ انکے سوا کسی نے خود کام کیا اور نہ گھوڑے سے
مدد کی۔ بابر کے تحمل کو دیکھیے کہ نہ یہاں کسی سے اس مدد کا تقاضا کیا اور نہ کابل پہنچکر اس بیوفائی اور
خیرہ چشمی کی کسی سے شکایت کی۔ ایک روز شام کو منزل دامن کوہ میں ہوئی۔ سردی کی یہ شدت

کہ الاماں سب کو یہی یقین تھا کہ آج یہیں برف کے کفن اور قبر میں دفن ہو جائینگے۔ بابر نے دری کے پاس بیٹھنے کو بابر برف کھود کے اپنا منہ اچھپالیا اور شاہی منہ اب بھی برف کے سنگ مرمر کو تخت پر تھا۔ بعض ہوا خواہاں نے گذارش کی کہ اس غار کے اندر بیٹھ جائیے۔ لیکن بابر کی حمیت نے تقاضا نہ کیا کہ اپنے جان نثار سپاہیوں کو چھوڑ کر خود آرام سے جا سوئے وہیں بیٹھا رہا لوگ اس کی تلاش میں بیقرار تھے۔ غار کو جو روشنی سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ بہت وسیع ہے اور سب آدمیوں کی گنجایش اسمیں ہو سکتی ہے۔ وہ لوگ وہیں سے جوش خوشی میں چلائے کہ یہاں جگہہ بہت ہے۔ بابر کا سر زانو و پر جھک رہا تھا۔ یہ جانفزا اور دلربا مژدہ سنکر چونک پڑا۔ اگر یہ بابر نے نہ خود بیان کیا ہوتا تو ہم اسکو مبالغہ سمجھتے کہ اسوقت اسکی پشت اور سر پر چار چار انگشت برف جم رہی تھی۔ اس بلائے آسمانی کو جھاڑ کر غار میں چلا گیا اور اہل لشکر بھی وہیں چلے آئے اور سب نے ملکر اپنا اپنا کھانا نکالا۔ غالباً بابر کابل اور اکبر آباد کے دیوان خانوں میں الوان نعمت کھا کر کبھی اتنا مسرور نہوا ہوگا۔ جتنا اُن روکھی سوکھی رنگ برنگ کی روٹیوں کو کھا کر ہوا صبح ہوئی پھر وہی برف اور وہی قلیوں کی خدمت اس سفر میں اکثر آدمیوں کے ہاتھ پاؤں شل ہو گئے۔ کانوں کی یہ کیفیت ہو گئی جیسے کسی شاخ پژمردہ پر پتا لگا ہوتا ہے یہی کابل کی مشہور برف ہے جسکی مہیب فسانے آجکل کی تاریخ کو بھی عبرتناک بناتی جاتی ہیں۔ بابر نے جس شاہانہ اولوالعزمی سے اس برف کی مہم کو سر کیا۔ غالباً اسکی نظیر بہت کم ملیگی۔ بہت کم بادشاہ ایسے گزرے ہونگے جنہوں نے اپنی بیکس سپاہ کیواسطے برف کھود کر رستہ بنایا ہوگا۔ اور سپاہیوں کو مدد کی تکلیف نہ دی ہوگی۔ اس بلائے عظیم کو بصد دشواری طے کرکے بابر ہزارستان آ پہنچا۔ ہزارہ وحشی جرگوں نے حملہ کیا۔ مگر انکو ہزادیکہ شاہی فوج آگے بڑھ آئی۔

کابل کا فساد

بابر جب خراسان کو گیا تھا۔ تو کابل میں خان میرزا شاہ بیگم بابر کی سوتیلی نانی مہر نگار خانم اسکی خالہ اور محمد حسین میرزا اور سلطان جنید برلاس موجود تھے۔ محمد حسین میرزا کی بابر کی ایک خالہ سے شادی ہوئی تھی۔ اور سلطان جنید برلاس بھی ننہیال کیطرف سے قرابت مند تھا۔ میدان خالی پاکر ان دو۔ فتنہ پردازوں نے ایک نیا سوانگ بھرا۔ خان میرزا کو کابل کا بادشاہ بنایا اور اپنے رشتہ مند بیگمات کو سازش میں شریک کر لیا۔ اب دیکھکر مغل بھی انکے مددگار ہو گئے۔ عوام الناس کو اپنا

طرفدار بنالینے کے لئے یہ مشہور کر دیا کہ بادشاہ کو خراسانی شہزادوں کی قید کے جیلخانہ بھیجدیا ہے بھی ایسی
ہی ہوئی جیسے محمد شاہ بادشاہ دہلی نے نادرشاہ کو قتل کروڈالا تھا۔ اور دلی کے چنڈوخانوں میں
شیطان اس راز کو فاش کر گیا تھا۔ امرائے بابری کو ارک کابل میں محصور ہونا پڑا یہی اب
وقت پہ جب بابر ہزارستان آگیا ہوا مگر قاسم بیگ سید ہو راستے نہ نکال لایا ہوتا تو یہ فساد شاید زیادہ زور پکڑ جاتا۔ بابر
کو ہزارستان میں یہ خبر ملی اور محصورین کے پاس فوراً ایک آدمی دوڑایا کہ ہم آگئے فلاں روز کو منارہ پر جا کر ہم آگ
روشن کرینگے تم بھی اسکے جواب میں آگ جلانا کہ ہم سمجھیں کہ تم ہوشیار ہو اسکے بعد دو طرف سے حملہ کرکے دشمنوں کو سمجھینگے۔ اس آدمی
کے پہنچے ہزارستان سے یلغار کرکے بابر کابل آپہنچا۔ باغیوں سے مقابلہ ہوا۔ مگر بابر نے دو تین ہی حملوں
میں انکو منتشر کر دیا۔ فتح کے بعد بابر ارک میں آیا یہاں محمد حسین میرزا اُسکے خالو گرفتار کرکے لائے
گئے نیکدل بابر مثل سابق تعظیم کو اٹھ کھڑا ہوا اور پاس بیٹھنے کی اجازت دی۔ اسکے بیٹھنے
کی کچھ شکایت بھی نہیں کی بدلے یا سزا کا کیا ذکر ہے۔ بیگمات نہایت نادم تھیں۔ انسے
بھی حسب دستور باادب ملا اور تسلی و دلجوئی سے ان کی خاطر جمع کرآیا۔ خان میرزا اس
معرکے سے نکل بھاگا تھا۔ شاہی سوار اسکو بھی پکڑ لائے۔ بابر دیوان خانہ میں بیٹھا تھا کہ
خان میرزا پیش ہوا اسکو دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہوا اور کہا آؤ گلے مل لیں اور وہ بیچارہ یہ مدارات دیکھکر
شرم سے پانی پانی ہو گیا۔ اور مشکل سے بابر کے پاس پہنچا گلے لگا کر بادشاہ نے اپنے پاس بٹھایا
دو خانساماں کو حکم دیا کہ شربت جلد لاؤ۔ جب شربت آیا تو خان میرزا کی اطمینان کیواسطے پہلے خود
تھوڑا سا پیا اُسکے بعد اسکو پلایا۔ اسکے بعد بھی بابر ان باغیوں کے درپے نہ ہوا۔ انہیں جدا اور جدا جدا
وہ ادہر ادہر چلے گئے۔

فتح قندہار سنہ ۹۱۳ھ

گذشتہ موقع پر شیبانی خان میدان چھوڑ کر سمرقند چلا گیا تھا اور اسکے جاتے ہی خراسانی
سلطنت میں خواب پریشان ہو گئی تھی۔ موقع پاکر پھر اس نے خراسان پر حملہ کیا شہزادے جو خدا جانے کس
گوشے میں بیہوش پڑے تھے کہ شیبانی دارالسلطنت ہرات پر قابض ہو گیا اور ایک لڑائی
نہیں ہوئی۔ سلطان حسین میرزا کے عہد میں جو راحت و آسائش رعایا کو نصیب ہوئی تھی
افسوس ان جفاکار ازبکوں کے ایک ہی حملہ نے کالعدم کر دی۔ شہر ہرات خوب لٹا اور

وہاں کے باکمال دل کھولکر تنگ کئے گئے۔ فتح خراسان کے بعد اوزبکوں کی دھمکی قندھار پر تھی قندھار اسوقت خراسان کا ایک صوبہ تھا۔ وہاں کے گورنر نے مضطرب ہوکر بابر کو لکھا کہ قلعہ قندھار حاضر ہے آکر قبضہ کر لیجیے۔ بابر یہ خیال کرکے کہ قندھار لیکر اوزبک کابل پر حملہ کرینگے قندھار کو روانہ ہوا جب قندھار کے قریب پہنچا تو امراء اسکے بلانے سے پریشان ہو چکے تھے انسے لڑائی ہوئی اور لڑائی کے بعد قندھار بابر کا تھا۔ مال غنیمت کثرت سے ہاتھ لگا جس خوف نے خراسانی ظالموں کی قدم متزلزل کردیئے تھے اُسنے بابر کو بھی وہاں نہ رہنے دیا۔ کہن سال مشیروں کی صلاح سے ناصر میرزا کو قندھار دیکر خود واپس آیا۔ ہفتہ بھر بھی ناصر میرزا نے قندھار پر حکومت نہیں کی تھی کہ شیبانی خاں نے قندھار پر دھاوا کیا اور اسکو غزنی جاتے ہی قندھار کھجانے کی خبر سنکر بابر کو خود اپنی فکر ہوئی دارالامن کی تلاش ہوئی خراسان اور ماوراءالنہر سے نسل تیمور بالکل بیدخل ہو چکی تھی اور یہ دو زمین پر صرف بابر اس دودمان کی یادگار رہ گیا تھا۔ بابر اوزبکوں کے مقابلہ میں پہلے ہی گیا مگر ہار رہا تھا۔ اب تو اوزبکوں کی قوت نصف النہار ترقی پر تھی۔ ایک لمحہ کیواسطے اُسنے اوزبکوں کیساتھ جنگ آزمائی کا خیال نہیں کیا۔ اور جلسہ کنگاش جمع کرکے اس اہم مسئلہ پر بحث کی۔ اہل شوریٰ میں دو فریق ہوگئے ایک فریق کی رائے تھی کہ بدخشان چلنا مناسب ہے۔ بدخشان کابل کی نسبت ہر چند قندھار سے زیادہ دور ہے۔ اور کوہستان کا قدرتی حصار بھی اُسکے گرد کھچا ہوا ہے لیکن ایسا دور بھی نہ تھا کہ شیبانی خاں کی رسائی سے باہر ہوتا۔ صوبہ بدخشان اتنا زرخیز نہیں کہ وہاں کی آمدنی سے بابر اپنی قوت بڑھا سکتا۔ لعل جنکی بدولت بدخشان اسقدر مشہور ہے۔ لب دلدار اور خون جگر کی تشبیہ و استعارہ میں بندہ دل شاعر بالکل صرف کرگئے کیونکہ اب انکا بھی پتہ نہیں۔ دوسرے فریق کی نے ہندوستان پسند کیا اولوالعزم بادشاہ بھی اسمیں شریک تھا۔ اسی رائے کو غلبہ رہا۔ خراسان اور ماوراءالنہر میں اوزبک شاہان تیموریہ کو اگرچہ شہ مات کر چکے تھے مگر ایران میں ایک اور زبردست حریف پیدا ہوا۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ شاہ اسمٰعیل صفوی نے اپنی بلند ہمتی سے ایران میں سلطنت صفویہ کا بنیادی پتھر نصب کیا اور ذوالفقار حیدری کی یورش کا لوہا تمام ایران مان گیا۔ اوزبک اوسوقت سے فارغ ہوکر ادھر متوجہ ہوئے اور سرحد عراق پر چھاپا ماری و خونریزی شروع کی۔ سرحد پر دونوں جرار لشکروں کا مقابلہ ہوا اوزبک زک کھاکر بھاگے اور قزلباش سرخرو رہے۔ شیبانی اسی معرکہ میں مارا گیا۔ اسی فتح نمایاں کے صلے میں زمانے نے خراسان شاہ اسمٰعیل کو پیش کیا۔

سمرقند و بخارا تیسری مرتبہ بابر فتح کرتا ہے

سمرقند میں بابر کی بہن اوزبکوں کے پنجہ میں پھنس گئی تھی۔ اور شیبانی خاں نے اُس سے نکاح کر لیا تھا۔ مرو فتح کرنے کے بعد شاہ صفوی نژاد نے اُس سے ویسا ہی برتاؤ کیا جو ایک جوان مرد بادشاہ کو زیبا ہے۔ باعزاز اوسکو بھائی کے پاس کابل بھیجدیا۔ بابر نے شیبانی خاں کے قتل کا ماجرا جو سنا سمرقند و فرغانہ پھر یاد آیا۔ شاہ اسمعیل کے پاس ایلچی اور ہدیئے بھیجکر اتحاد کی سلسلہ جنبانی کی۔ اُسطرف سے بھی یہ پیمان ہو گیا کہ یہ ملک جسقدر فتح کر لو وہ تمہارا ہے۔ بابر غزنی سے فوج فراہم کر کے براہ بدخشان ترکستان پہنچا۔ بوڑھا شیبانی خاں اگرچہ مر گیا تھا۔ مگر جنگجو اوزبک ابھی باقی تھے خوب لڑائیاں ہوئیں لیکن بخارا و سمرقند بابر نے فتح کر لیا۔ بخارا میں جو سنیوں کا گویا مرکز ہے شاہ صفوی کی رضاجوی کیواسطے دوازدہ امام کا خطبہ پڑھا گیا۔ اس مرتبہ آٹھ مہینے ترکستان پر حکومت بابر کی رہی۔ فصل بہار میں پھر اوزبک جنگ آزما ہوئے۔ بابر کو شکست ہوئی اور ناکامی نے ہمیشہ کو غریب الوطن کر دیا۔ اس مہم سے واپس ہو کر افغانستان کی حکومت کو بابر استحکام دیتا رہا۔ سرکش جرگوں کو مطیع کرنے کی یہ تدبیر نکالی تھی کہ جو جرگہ سرتابی کرتا تھا فوراً بادشاہی فوج اُنکے سر پر ہوتی تھی انکو منتشر کر کے مقتول افغانوں کے سروں کا منارہ بنا دیا جاتا تھا اور دنبے اور بکریاں ضبط کر لی جاتی تھیں۔ افغانستان میں مستقل ہو کر بابر نے پادشاہ کا لقب اختیار کیا۔ اولاد تیموریہ میں یہ نام پہلی دفعہ انتخاب ہوا۔ تیمور امیر اور اوسکی اولاد میرزا (مخفف امیرزا) کے لقب سے مشہور ہے۔

ہندوستان کو فتح کیا

سنہ ۹۳۲ھ تک بابر انہیں خفیف مہموں میں مصروف رہا۔ اسی زمانہ میں چار حملے اسنے ہندوستان پر کئے۔ لیکن چاروں مرتبہ اُسکی یورش پنجاب کے ملک پر محدود رہی ان حملوں سے غالباً اُسکا یہ مقصود تھا کہ سرحدی فرقوں کو مطیع و مانوس کرے۔ اگر ہندوستان میں ناکامی ہوتی تو افغانستان سے اسکو پناہ ملجاتی۔ امیر تیمور نے ہندوستان فتح کر کے پنجاب کو اپنی وسیع سلطنت کا ایک جزو بنا لیا تھا۔ اُسکی وفات کے بعد یہ ملک اُسکی اولاد کے قبضہ میں رہا جب وہ باہمی

نزاعوں میں پھنسکر ضعیف ہوگئے تو پنجاب کے حاکم خودسر بن بیٹھے۔ جب سلطنت لودیہ قایم ہوئی تو خطبہ پڑھکر یہ حاکم اس سلطنت کے برائے نام مطیع ہوگئے۔ سلطان سکندر نے انکو معزول کرکے پنجاب کو اپنے ملک میں شامل کرلیا۔ بابر نے یہہ کہکر کہ یہ ملک ہمارا ہی ہے اپنے لشکر کو کبھی لوٹ مار کی اجازت نہیں دی۔ اور پنجابیوں سے ہمیشہ شاہانہ برتاؤ رکھا۔ جو جمع انپر تشخیص کردی گئی تھی۔ بس وہی انتظام کو ساتھ سال بسال وصول کرلیجاتی تھی۔

حملہ بابری کیوقت ہندوستانکی پولٹیکل حالت

آخر بابر نے ان صوبوں کی آمدنی اور افغانستان کی آبادی سے اپنی فوج مرتب کرکے سنہ ۹۳۲ھ میں براہ خیبر ہندوستان پر پانچواں اور آخری حملہ کیا۔ دریائے انڈس کو عبور کرتے وقت جب بخشی فوج نے جایزہ لیا تو معلوم ہوا کہ اچھے بُرے ۱۲۰۰۰ آدمی لشکر میں تھے۔ رسد کی مصلحت سے بابر دامن کوہ میں سیالکوٹ کیطرف بڑھا۔ اور ۱۴ ربیع الاول کو سیالکوٹ پر پہنچا۔ ہندوستان کی پولٹیکل حالت گویا اُسوقت متقاضی تھی کہ کوئی بیرونی حملہ آور کو کامل فرمانروایان کی حکومت سے نجات بخشے۔ قوی و ضعیف سات حکومتیں حملہ بابری کے وقت ہندوستان میں قایم تھیں۔ اول سلطنت لودیہ تھی۔ پنجاب سے بہار تک اِس خاندان کی فرمانروائی تھی۔ اگرچہ ہمیشہ اس ملک کے بادشاہوں کا دارالسلطنت دلی رہی تھی۔ مگر سلطان سکندر نے گوالیار کی مصلحت سے آگرہ کو صدر قرار دیا تھا۔ سلطان ابراہیم اُس زمانہ میں تخت پر تھا۔ آٹھویں صدی ہجری کی خاتمہ پر سلطان فیروز شاہ خلجی کے بعد سلطنت دہلی کو خود سنبھالنا مشکل ہوگیا تھا اور دور دراز صوبوں کو کون سنبھالتا۔ گجرات اور مالوہ کے گورنر خودسر ہوگئے اس لیے چند برس پیشتر دکن میں دولت بہمنیہ قایم ہوچکی تھی۔ بابر نے جب یورش کی تو سلطنت گجرات ۷۵ برس کی ہوکر بستر نزع پر زندگی کے دن پورے کررہی تھی۔ کرگس صفت امیروں نے اسکو دم نکلنے سے پہلے ہی حصے تقسیم کرنے شروع کردئے تھے۔ حکومت مالوہ بھی جسکا دارالصدر مندو (ریاست اندور) تھا زوال کے کنارے آگئی تھی۔ اور رانا سانگا کی دلیرانہ حملوں نے خاتمہ بہت قریب کردیا تھا۔ سلطنت بہمنیہ بھی جفاکار امراء کے ہاتھوں سے تنگ آکر عنقریب دم توڑنے والی تھی۔ بنگالہ میں بھی ایک اسلامی سلطنت دہلی کی ہم عمر تھی یورش بابری کیوقت بھی اسمیں کسیقدر دم خم باقی تھا۔ ہندو راجاؤں میں ٹکر کے قابل صرف دو راجہ تھے۔ ایک رانا سانگا چتوڑ کا راجہ دوسرا راجہ بیجانگر۔ بابر کے مقابلے کے مدعی بننے والا تھا۔ دو سلطان ابراہیم اور رانا سانگا ہیں۔ سلطان ابراہیم لودی

نسلت کا پادشاہ تھا جیسے ہر خاندان کے مشاہی زوالی فرمانروا ہوئے ہیں۔ سلطنت لودیہ
ان امیروں کی مدد سے قایم ہوئی تھی۔ سلطان بہلول اور سلطان سکندر
امیروں کے ساتھ خلوت وجلوت میں برادرانہ پیش آتے تھے دربار کے مراسم وآداب
کی پابندی سے بھی سادہ دل افغانوں کو کچھ مطلب نہ تھا۔ دربار میں اپنے پادشاہ کے زانو بزانو
بیٹھتے تھے۔ سلطان ابراہیم لودی نے تخت پر قدم رکھکر پہلا کام یہ کیا کہ اگلی مدارات بالکل
موقوف کردی۔ بیباک افغان بگڑ گئے اور جو جہاں تھا وہیں خودسر بن بیٹھا۔ سلطان ابراہیم کا بہت
عہد سلطنت ان ارکان سلطنت کے تباہ کرنے میں گزرا اگرچہ امراء پر وہ غالب آگیا مگر ان نزاعوں نے
سلطنت کی بنیاد ہلا دی۔ سلطان ابراہیم بخیل بھی بہت تھا اس سبب سے تمام ملازم اس سے بیزار
غازیخاں اور اوسکا دیرینہ سال باپ دولتخاں دولت ابراہیمی کے دو نیم مختار سردار تھے۔ بابر کی غیبت
میں انکے پنجاب کے صوبے میں اونہوں نے بہت فتور مچایا تھا۔ سیالکوٹ میں پہنچکر بابر کو خبر پہنچی کہ
غازیخاں اور دولتخاں دریائے راوی کے غربی کنارے پر لشکر لیے پڑے ہیں۔ بابر انکی گوشمالی کیواسطے
انکیطرف بڑھا ہنوز انکے قریب ہی پہنچا تھا کہ وہ منتشر ہوکر میدان چھوڑ گئے۔ ان سردارونکا مسکن
قلعہ ملوٹ میں تھا۔ یہ قلعہ ستلج اور بیاس کے مابین شمال کے رخ کوہستان میں واقع تھا۔ بابر نے اس
قلعہ کو آگھیرا۔ بوڑھا دولتخاں تو قلعہ میں تھا۔ لیکن غازیخاں کسی اور طرف کو نکل گیا تھا۔
بوڑھے سردار نے جان بخشی بادشاہ سے عہد وپیمان کرکے قلعہ کو خالی کردیا۔ قلعہ میں دولت
کی اور یہ روپیہ اس آڑے وقت میں بابر کے بہت کام آیا۔ مصنف تاریخ فرشتہ نے لکھا ہے کہ غازیخاں
کا کتاب خانہ بھی ہاتھ لگا جسمیں نفیس کتابیں بکثرت تھیں۔ بادشاہ بابر کا بیان اسکی تردید کرتا
ہے۔ اُسنے بیان کیا ہے کہ اس کتاب خانہ کی شہرت تو بہت تھی مگر عمدہ کتابیں کم نکلیں ملایانہ
کتابیں بہت جمع کر رکھی تھیں۔ غازیخاں کا پٹھان ہونا بھی اسکی تائید کرتا ہے۔ کیونکہ ولایتی قوم
کے سوا بہت کم علوم وفنون کی قدر کرتے ہیں۔ اس عارضی مہم سے فارغ ہوکر بابر نے پادشاہ
کیطرف رخ کیا۔ اثنائے راہ میں اکثر دغاباز لودی امیروں کے خط ملے جنہوں نے جلد یورش
کرنیکی ترغیب دی تھی۔ انبالہ کے قریب جاسوسوں نے خبر دی کہ حمید خاں حاکم حصار اپنی
فوج لیکر حصار سے پندرہ کوس بڑھ کر مقابلہ کو آیا ہوا ہے۔ بابر نے نوجوان شہزادہ ہمایوں کو حملہ کا
حکم دیا تھوڑی سی لڑائی کے بعد حمید خاں کے قدم اکھڑ گئے اور میدان ہمایوں کے ہاتھ رہا۔ ہمایوں کی
یہ اول مہم تھی۔ باپ نے اس فیروزی کے صلے میں حصار فیروزہ کا ملک ہونہار بیٹے کو بخشدیا۔

سلطان ابراہیم سے لڑائی

سلطان ابراہیم تو دلی سے مدت کا نکل آیا تھا۔ مگر شاید عالم خاں اور حمید خاں کا انجام دیکھنے کو وہیں ٹھٹک رہا۔ یہ دیکھکر کہ راستے کے ان کانٹوں کو ہٹا کر بابر بے کھٹکے چلا آتا ہے اُسنے اپنی لشکر کو آگے بڑھایا۔ بابر نے اُس سے پہلے آکر پانی پت کا عمدہ موقع قابو کر لیا۔ فوج کا پڑاؤ اسطرح تھا کہ دست راست کو شہر پانی پت کی پناہ تھی۔ سامنا ارابوں سے رکا ہوا تھا۔ ارابہ ایک قسم کی گاڑی ہوتی تھی۔ سات آٹھ سوار ارابوں کو پکے چمڑے کی تسموں اور زنجیروں سے جکڑ دیتے تھے۔ اس طور پر ایک چھوٹا سا حصار بنجاتا تھا۔ اس حصار کی پناہ میں بندوقچی باڑ مارتے تھے۔ ترکی فوج سے یہ ترکیب اخذ کیگئی تھی۔ فوج کی بائیں طرف کو خندق کھودی گئی چھ کوس کے فاصلے پر سامنے سلطان دہلی کا لشکر تھا۔ دہلی کے لشکر میں تخمیناً ایک لاکھ آدمی اور ہزار ہاتھی تھے۔ ایک ہفتے تک دونو فوجیں مقابل پڑی رہیں ۱۰ رجب کو علی الصبح جاسوس خبر لائے کہ غنیم حملہ کیا چاہتا ہے۔ شاہ بابر یہ سنتے ہی اپنی مسلح فوج آگے بڑھا لایا اور میمنہ و میسرہ اور قلب درست کرکے میدان میں آجا۔ ہندوستانی لشکر نے اپنے ضابطے کے مطابق تیزی سے حملہ کیا۔ جیش بابری کی نظم و نسق کو دور سے دیکھا کہ دنگ رہگئے اور انکے قدم وہیں سے منتشر پڑگئے۔ قریب آنے پر شاہ بابر نے حکم دیا کہ فوج کا ایک حصہ غنیم کی دائیں بائیں سے نکلکر اُسکی پشت پر تیر برسائے۔ باقی فوج کو بتدریج آگے بڑھایا۔ آفتاب ایک نیزہ بلند ہوا تھا کہ لڑائی زور سے شروع ہوگئی اور دونوں طرف کی بہادروں نے مردانگی کے خوب خوب جوہر دکھائے۔ دوپہر کو سلطان لودی مارا گیا۔ اور پٹھانوں کے قدم میدان پایتخت ہندوستان سے اکھڑ گئے اور فتح و ظفر نے شاہ فرغانہ کو دہلی کی مبارکباد دی۔ پانی پت کی ان تین لڑائیوں میں سے یہ پہلی لڑائی ہے جنکی فتح و شکست نے سلطنت ہندوستان کا فیصلہ کیا ہے۔ دشمن کی ۱۶ ہزار آدمی کام آئے ۲ ہزار صرف اپنے آقا سلطان ابراہیم کی قدموں پر کٹے پڑے تھے اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ بہادر پٹھانوں نے کس خوبی سے حق نمک ادا کیا۔ شاہ بابر کے مقتول سپاہیوں کی تعداد نہیں معلوم ہوئی۔ مگر اُن کی ترتیب و تربیت نے کثرت سے آدمی تلف نہو نے دیے ہونگے۔
فتحیاب ہوکر بابر سلطان دہلی کے خیمہ گاہ کو گیا۔ مقام عبرت ہے کہ جن عالیشان خیموں میں چند ہی

گھنٹے پہلے ہندوستان کا پادشاہ اور ایک لاکھ فوج کا سپہ سالار شمکن تھا۔ اُن میں ایک
ہو کا عالم تھا اور وحشت و مایوسی کا دلگیر سماں بندہ رہا تھا۔ نہ زرق برق نقیب تھے اور نہ
طمطراق کے چوبدار۔ حسرت و بیکسی البتہ دلگداز صدا سے ابراہیم! ابراہیم!! پکار رہی تھی۔ نیرنگی
عالم کا یہہ بھی عجب تماشا ہے کہ ایسی پرحسرت کیفیت کو دیکھکر فاتح کا دل جوش مسرت اور
انبساط سے بیتاب ہو گیا ہوگا۔ پادشاہ وہیں ماندہ سپاہ اور خستہ گھوڑوں کی خاطر سے ٹھیر گیا اور ہمایوں
اور خواجہ کلاں کو آگرہ اور کچھ امیروں کو دلی روانہ کیا کہ قلعوں پر قبضہ کرکے خزانوں پر متصرف ہو جائیں
چند روز آرام لیکر خود بھی باہستگی دہلی کو آیا۔ شیخ نظام الدین اولیا اور قطب صاحب کے مقدس مزاروں
فاتحہ پڑھکر اون اولوالعزم پادشاہوں کے مقبروں اور یادگاروں کو دیکھا جو اس سے پہلے اس جہان بے ثبات
میں اپنے جوہر دکھا چکے تھے۔ اور زمانے اونکو مٹا کر قبروں میں آرام سے سُلا دیا تھا۔ سے

من از آنم سودگی خفتگان خاک دانستم ؛ کہ غیر از خشت بہر خواب راحت نیست بالینے

۲۲ رجب کو
شاہ بابر آگرہ آیا۔ سلطان ابراہیم کی شکستہ دل ماں جسکی اقبالمندی کا زمانہ گذر چکا تھا بیکس بیوہ اور
اوس بیچارے یتیم کو لیکر دربار شاہی میں چلی آئی۔ اور مؤثر الفاظ میں کامیابی کی مبارکباد دی۔
شاہ بابر کے دل پر انکی مایوسی نے بہت اثر ڈالا۔ اُسکے واسطے اُسنے سات لاکھ روپیہ سالانہ کی پنشن
عطا کی اور آگرہ سے کوس بھر کے فاصلے پر جمنا کے کنارے اونکے لیئے مسکن تجویز کر دیا۔ سلطان ابراہیم
یتیم بچے کو اُسنے اپنی تربیت میں رکھا اور مثل اپنے بچوں کے ناز و نعمت سے اُسکی پرورش کی۔ ہندوستان
میں فاتحوں نے اپنے دشمنوں کے اقربا کے ساتھ ایسا فیاضانہ برتاؤ بابر سے پہلے شاید ہی کیا ہو۔ اگر
مہذب زمانہ میں بالضرور ایسے آئین دیکھے جاتے ہیں مگر ساڑھے تین صدی پہلے کے زمانہ میں ایسا
ہونا حیرت سے خالی نہیں۔ امرا لودی کو بھی اُسنے اپنی فیاضی سے خدمت میں لیا۔ اکثر کی جاگیریں
اور خطاب بدستور رہنے دیئے۔ فتح خاں شروانی۔ راؤ سروانی اور سلطان علاؤ الدین بن سلطان
بہلول لودی اُسکے عہد میں بھی معزز و معتمد رہے ہیں۔ آگرہ کا قلعہ خزانہ سے معمور تھا۔ ابراہیم لودی
اور اُسکے پیشروؤں نے جو دولت سالہا سے دراز میں فراہم کی تھی زندہ دل پادشاہ نے اُسکا ملاحظہ
کیا۔ مال غنیمت میں ۲½ تولہ وزن وہ بیش بہا الماس بھی تھا جسکا نام سلطان علاؤ الدین
خلجی کے عہد سے ہندوستان میں روشن ہو رہا تھا۔ یہ زر و جواہر دیکھکر بابر کے فیاض دل میں ایک
جوش پیدا ہوا۔ اور اپنے غریب اہل وطن اوسکو یاد آئے۔ ۹ رجب کو اُسنے بخشش شروع کی۔
۷۰ لاکھ روپیہ الماس مذکور اور ایک سربند خزانہ کا کمرہ ہمایون کو عنایت ہوا۔ کسی امیر کو ۱۰ لاکھ

اور کسی سردار کو ۷لاکھ بخشدیا جتنے سپاہی تھے۔ سب کو اون کی جانبازیوں کے صلے ملے۔ سوداگر اور طلبہ وغیرہ جو فوج کے ہمراہ تھے وہ بھی فیضیاب ہوئی مکہ معظمہ مدینہ منورہ سمرقند۔ خراسان کاشغر وعراق سبھی ملکوں کو تو سوغات بھیجی گئی۔ افغانستان کو تو فی کس ایک شاہرخی روانہ کی۔ محمد قاسم فرشتہ نے اس بذل وجود کا حال لکھا ہے کہ اس دریادلی پر ایک زمانہ پر حضرت کی قلندری ہویدا ہوگئی بع۔ الہد الہد کہ عطا کرد کہ اندوختہ بود۔ ہرچند بابر فرمانروائی دہلی پر فتح پاچکا تھا۔ مگر ابھی بہت سی دقتیں حل کرنی تھیں۔ سلطان ابراہیم کے عہد میں ماما کین سلطنت بہت زور پکڑ چکے تھے۔ اور اُن کی یہ حالت نہ تھی کہ اپنے بادشاہ کے مغلوب ہوتے ہی بیدست وپا ہو جاتے۔ پانی پت کے میدان سر کرکے جب شاہ بابر آگے آیا ہے تو ہندوستانیوں اور مغلوں میں سخت مغائرت تھی۔ رعایا تک دور دور کھینچتی تھی افغانستانی سردار جو جہاں تھا وہیں سنبھل بیٹھا۔ سنبل میوات دھولپور۔ گوالیار اٹاوہ کالپی۔ قنوج ہر ایک جگہہ سرکش امیر لڑائی کو تیار تھا۔ بادشاہ جب آگرہ میں آیا تو اہل شہر گھر چھوڑ کر بھاگ گئے سپاہ کو رسدگی سخت مصیبت برداشت کرنی پڑی۔ بڑی بلا یہہ تھی کہ اُسوقت گرمی کی فصل تھی اور آگرہ کا تندور خوب گرم ہا تھا۔ سردملک کے مغلوں کو اس بلائی بیدرماں سے اول ہی مرتبہ سابقہ پڑا بہت سی گرمی کی تاب نہ لا سکے اور مر کر اس بلا سے نجات پاگئے۔ جو زندہ بچے اُنکی ہمتیں پست اور پژمردہ دل ہوگئیں۔ اور افسر وسپاہی نے ایک زبان ہو کر کابل لوٹنے کی فریاد کی۔ بابر نے تسلی ودلجوئی کرکے انکو روکا۔ اسپر بھی کچھہ چل ہی گئے خواجہ کلان جو بابر کا یار اور معزز امیر تھا کابل جاتے وقت دلی کی کسی مکان پر یہ شعر لکھہ گیا۔ ع

اگر بخیر وسلامت گذر زسند کنم ۔ سیاہ روئی شوم گر ہوائی ہند کنم ۔ اسنے اپنا کہنا کر دکھایا اور پھر کبھی ہندوستان کی دہوپ میں اپنا چہرہ کالا نہیں کیا۔

اصلاح

بابر سے زندہ دل بادشاہ کی دلچسپی کا سامان ہندوستان میں کچھہ بھی نہ تھا۔ نہ دلفریب باغ تھی نہ دلربا چشمے تھے نہ علمی مدرسے تھے نہ ہوادار مکان تھے۔ ہندوستان میں بابر کی بادشاہی کا قلیل زمانہ امن قایم کرنے کرتے ہی گذر گیا۔ اسپر بھی اوسنے اون نقایص کو دور کرنے کی کوشش کی تھی۔ دہولپور۔ آگرہ۔ گوالیار وغیرہ مقامات میں کثرت سے اُسنے باغ اور حمام اور باولیاں بنوائیں۔ آگرہ میں امرائی شاہی نے بھی لب جمنا دلفزا اور پر فضا باغ لگائے۔ ہندوستان نے یہہ دلکش سماں

کہاں دیکھنا تھا۔ اپنی حیرت ظاہر کرنے کو مغلیہ آبادی کا نام کابل رکھدیا۔ آگرہ دہولپور۔ گوالیار کول (علیگڈھ) وغیرہ میں ہر روز ۱۴۹۱ سنگ تراش شاہی عمارتوں میں کام کرتے تھے۔ گوالیار میں رحیم داد شاہی حاکم نے ایک مدرسہ بھی بنایا تھا۔ اگر امن قایم کرکے بابر کو اجل مہلت دیتی تو جو کچھہ اُسنے علمی جلوے بخارا و سمرقند میں دیکھے تھے اُن کی ایک جھلک ہندوستان کو بھی دکھادیتا۔ اُسنے واقعات بابری میں ہندوستان کا یہ نقص بھی بتایا ہے کہ یہاں کوئی مدرسہ نہیں ہے۔ ولایتی باغبانوں کو اُسنے حکمدیا کہ آگرہ میں سردملک کے خربوزے اور انگور بوئیں۔ ہندوستان کے دورے میں جہاں پھول نظر پڑجاتا تھا۔ شاہی باغوں میں اُسکو لے آتا گوالیار کے میدان سے گل سُرخ آتشیں رنگ کا اور یہاں سے نیلوفر لاکر شاہی باغمیں لگوایا۔ خواجہ کلان کو رانا سانگا کی مہم سر کرکے جو خط اُسنے لکھا ہے اُسکے چند فقروں کا ترجمہ ہم لکھتے ہیں۔

ان فقروں کی سادے الفاظ میں بابر کی زندہ دلی کی ایک جھلک پائی جاتی ہے۔ "ہندوستان کی معاملات اب سرانجام ہوتے جاتے ہیں۔ یہاں سے فارغ ہوکر اگر خدا راست لائے تو چلا آتا ہوں۔ اُس ملک کی لطافت کوئی کس طرح دل سے بھول جائے۔ بالخصوص اب کہ میں تائب ہوگیا ہوں۔ خربوزے اور انگور کے جائز حظ دل سے کیسے جاتے رہیں۔ ابھی ایک خربوزہ لوگ دہر سے لائے تھے مینے کاٹکر جو کھایا تو عجیب تاثیر کی اور میں بے ساختہ رونے لگا۔"

بابر کو زہر دیاگیا

سنہ ۹۳۳ھ میں اس نیک نہاد بادشاہ کو زہر دینے کی سازش کی گئی۔ سلطان ابراہیم کے نعمتخانے کے چند باورچی بادشاہ کیواسطے ہندوستانی کھانے تیار کیا کرتے تھے۔ سلطان ابراہیم کی ماں نے انکو رشوت دیکر اسبات پر آمادہ کرلیا کہ کھانے میں زہر ملاویں۔ بادشاہ نے داروغہ مطبخ کو سخت تاکید کردی تھی کہ ہندوستانی باورچیوں پر اعتماد نہ کیا جائے۔ جو وقت دیگ تیار ہوا کرے پہلے کھانا باورچیوں کو چکھایا جائے۔ اس ضابطہ کے سبب دیگ میں تو زہر ڈال نہ سکے۔ لیکن کھانا نکالنے کیوقت کمبخت داروغہ غافل ہوگیا اور نمکحرام باورچی نے قاب کی تہ میں زہر رکھکر کاڑھدیا۔ پہلے تو بادشاہ اور کہانا تناول کرتا رہا۔ جب اُس زہردار گوشت کا لقمہ لیا بے اختیار دل لوٹنے لگا۔ ضبط نہوسکا اور وہاں سے اُٹھکر استفراغ کیا۔ چونکہ کبھی شراب پیکر بھی اُسنے قے نہیں کی تھی۔ اسلئے شک ہوا اور فوراً حکمدیا کہ باورچی حراست میں لیے

جائیں۔ کتے پر جو آزمائش ہوئی تو صاف کھل گیا۔ یہ کہ کھانے میں زہر تھا۔ باورچی پر جب تشدد
ہوا تو اُسنے سب بھرم کھولدیا۔ چاشنی گیر باورچی اور دو عورتیں ماخوذ ہوئیں۔ دوسرے دن
بابر نے سر دربار باضابطہ تحقیقات کی۔ چاشنی گیر کے پرزے پرزے کروا ڈالے۔ باورچی کا پوست کھنچوا لیا
اور ایک عورت ہاتھی کے پاؤں کے نیچے ڈلوائی گئی اور دوسری کے گولی مار دیگئی۔ والدۂ سلطان
ابراہیم کا تمام اثاث البیت لٹوا دیا اور خود بی بی صاحبہ کو قیدخانہ کی ہوا کھلائی۔ سلطان ابراہیم
کے بیٹے کو صرف یہ سزا ملی کہ کامران کے پاس کابل بھیجدیا گیا۔ انیسویں صدی کے آئین
انصاف کی رو سے ان میں سے بعض سزائیں وحشیانہ معلوم ہوتی ہیں اور حقیقۃً وحشیانہ ہیں
مگر بابر کی نسبت رائے کرتے وقت ہمکو یہ فروگذاشت نکرنا چاہیئے۔ کہ اُسکا زمانہ آج سے ساڑھے
تین سو برس پیچھے تھا۔ اس زمانہ کے دستور کے مقابلے میں یہ سزائیں سراسر انسانیت پر مبنی
معلوم ہوتی ہیں۔ اُسنے اگر سزائیں شدید دیں تو خاص مجرموں کو اور وہ بھی کامل تحقیق کرکے۔
دوسرا بادشاہ تو مجرم اور اونکے اہل وعیال سب ہی کو سزا اور شدید سزا کا ذائقہ چکھا کر اپنی قوت انتقام
کو تسکین دیتا۔

رانا سانگا کی لڑائی

رفتہ رفتہ ہندی متمرد امراء رام ہوگئے کچھ سختی کچھ نرمی سے راہ راست پر آگئے۔ ان امراء کیطرف
سے ہنوز اطمینان کلی نہ ہوا تھا کہ رانا سانگا کی سرگرم کوششوں کی خبریں گوش زد ہونے لگیں
رانا سانگا عجیب دل و دماغ کا راجپوت سردار تھا۔ مسلمانوں کی عملداری کے بعد سرزمین ہند نے ایسا شجاع
اور بلند حوصلہ مدبر راجپوت پیدا نہیں کیا۔ مسلمانوں کی مذبذب حالت دیکھکر اُسنے یہ عزم کرلیا تھا
کہ آریہ ورت کو مسلمانوں سے پھر پاک کردے۔ مالوہ کی خودمختار اسلامی حکومت کے بڑے حصے پر
اُسنے اپنی تلوار کی زد سے قبضہ کرلیا تھا اور اب اجمیر میواڑ اور مالوہ اسکی حکومت تھی۔ چتوڑ اسکی
راجدھانی تھی۔ اپنی خداداد قابلیت سے اُسنے جودھپور جے پور وغیرہ کے سات اعلےٰ راجاؤں کو (جو کسیکے
تابع ہوکر رہنا ننگ خیال کرتے تھے) اپنا مددگار بنالیا اور وہ اسکے پرچم کے نیچے لڑنے پر آمادہ تھے
جن چھوٹی ہندو طاقتوں کو اُسنے متفق کرلیا تھا۔ اُنکی تعداد ستر تھی۔ رانا نے بابر کے پاس ایلچی بھیجا تھا
کہ آپ سلطان ابراہیم پر دہلی کیطرف سے حملہ کریں میں آگرہ پر چڑھتا ہوں۔ اسطرح سلطان کو نرغہ میں گھیر
مرتے دم تک ہاتھ پاؤں۔ آنکھ کوئی عضو نہ تھا جسپر بہادری کا تمغہ (زخم) موجود نہو۔ تلوار اور نیزے کے

اسی زخم بدن پر تھے۔ شاہ بابر پانی پت کے معرکے سے فارغ ہو کر سلطان امرا کو زیر کرنے میں مشغول
رہا۔ اور رانا کی طرف اسنے بالکل توجہ نہ کی۔ رانا سانگا نے جب دیکھا کہ اسکا شکار ہاتھ سے نکلا جاتا
ہے۔ تو بابر سے لڑنے کو تیار ہوا۔ بیانہ کے قلعہ (راج بھرت پور) میں شاہی فوج کا ایک دستہ خواجہ
مہدی کی کمان میں تھا۔ خواجہ مہدی نے بادشاہ کو آگاہ کیا کہ رانا سانگا بہت سرگرمی دکھلا رہا ہے۔ بیانہ
چھوڑ کر اسکی فکر کیجیے۔ یہ سنکر بابر نے بھی رانا سے لڑنے کا تہیہ کیا اور ہندوستانی امرا کو مہمیز لگا
بابر ۹ جمادی الاول ۹۳۳ھ کو آگرہ کو روانہ ہوگیا۔ قاسم میر آخور کو بیلدار و نیز افسر کر کے آگے سے
بھیجا کہ فوج کی پڑاو پر کنویں کھدوا رکھو۔ یہ بات ایکدم بھی فراموش کرنے کے قابل نہیں ہے کہ دریائے
سندھ سے ادھر بابر کی سپاہ میں سب ۱۲۰۰۰ آدمی تھے۔ سلطان لودی کی لڑائی اور آگرہ کی سرگرمی
میں انہیں بارہ ہزار میں سے کام بھی آ چکے تھے۔ رانا نے آگے بڑھ کر تاخت و تاراج شروع کر دی اور شاہی
فوج کو بیانہ کا قلعہ چھوڑ کر واپس آنا پڑا۔ ان لوگوں نے انکی فوج کی چستی اور بہادری کی بہت تعریف کی
انہیں دونوں شاہی فوج کے قراول سے جسمیں ڈیڑہ ہزار آدمی تھے راجپوتوں سے مقابلہ ہوگیا۔ راجپوت
بڑی بہادری سے لڑے اور برباد کر کے شاہی قراول کو بھگا دیا۔ اسی اثنا میں کابل سے ایک قافلہ
آیا جسمیں بدبخت محمد شریف نجومی بھی تھا۔ سپاہیوں نے جو اُس سے نجوم الحکم دیکھنے کی فرمایش کی
تو اُسنے یہ کہا کہ مریخ غرب میں ہے۔ اسطرف سے جو لڑیگا شکست ہوگی۔ ان جزئیات کے پے در پے
ظہور پذیر ہونے سے شاہی فوج کے دل ہراساں ہوگئے اور سپاہی اور افسر سب کے ارادوں میں تزلزل
پیدا ہو گیا۔ صرف بابر اور نظام الدین خلیفہ یہ دو شخص تھے جنکا عزم درست اور رائے مستقل تھی

بابر نے شراب سے توبہ کی

سپاہ کی بیدلی سے بابر کو بہت اندیشہ ہوا۔ اور فی الفور اسکے دفعیہ کی تجویز کی اور مے نوشی سے
تائب ہوا اور جتنے آلات سرور نقرئی و طلائی تھے سب توڑ کر خیرات کر دیے گئے۔ اور جو جام و
صراحی مدستی میں وجہ عیش و سرور تھی شکستہ ہو کر سرمایہ حسنات بنگئے۔ الناس علی دین ملوکھم
بادشاہ کو تائب دیکھکر سینکڑوں نے اس ام الخبائث سے توبہ کر لی۔ بابا دوست پچھلے ہی
کاروان میں غزنی کی نفیس شراب اونٹوں پر لاد کر لایا تھا۔ بادشاہ دین پناہ نے حکم دیا کہ نمک ڈالکا
سرکہ بنا لیا جائے۔ توبہ کر کے اپنے تمام ممالک میں مسلمانوں کے مال تجارت کا محصول
معاف کر دیا۔

بادشاہ کی سپیچ

سپاہیوں کا جوش ابھارنے کو اُسنے سب کو جمع کیا۔ اور یہ اسپیچ دی۔ سنو اے امیرو! اور دلاورو! ہر کہ آمد بجہاں اہلِ فنا خواہد بود ؛ آنکہ پایندہ و باقیست خدا خواہد بود ؛ جو آدمی مجلسِ حیات میں آکر بیٹھا ہے ایک روز اسکو پیمانہ اجل پینا ہوگا۔ اور جو اس منزلِ زندگی میں آیا ہے ایک نہ ایکدن اسکو کوچ کرنا پڑیگا۔ پس بدنام جینے سے مرنا بہتر ہے ؎ بنام نکو گر بمیرم رواست مرا نام باید کہ تن مرگ راست ؛ خداوند تعالےٰ نے یہ لازوال سعادت ہمکو نصیب کی ہے۔ اگر مرجائیں شہید مریں۔ اور اگر فتح پائیں غازی بنیں۔ آؤ سب ملکر قسم کھائیں اور بھاگنے کے خیال کو دل سے نکالکر پھینکدیں۔ جبتک جسم میں جان ہے ہاتھ لڑائی سے نہ رُکے۔ اس پُر اثر تقریر نے نہایت دل پر بہت اثر کیا اور سب قسم کھا کر جانبازی پر مستعد ہوگئے۔ پانی کی آرام کیوجہ سے فتح پور سیکری کا میدان پڑاؤ کیواسطے پسند کیا گیا۔ بابر تو یہاں رانا کے مقابلے میں خیمہ زن تھا۔ وہاں ہندوستانی امرا نے میدان خالی پاکر خوب ہاتھ پاؤں نکالے۔ کول (علیگڈھ) سنبل۔ گوالیار۔ سب جگہ ایک فتنہ برپا ہوگیا اور شاہی لشکر میں روزانہ کوئی نہ کوئی متوحش خبر ضرور آتی تھی۔ بادشاہ جو سپاہ میدان جنگ میں لایا تھا وہ کل بیس ہزار تھی۔ ان بیس ہزار سپاہیوں میں اکو کارآزمودہ مغل اور ہندوستان کی نئی بھرتی کے سپاہی دونو شامل تھے۔ ہندوستانی امیروں کی شورش کا حال سنکر نوخیز اکثر کھسکنے لگے۔ جس حریف کے مقابلے کو یہ قلیل لشکر آیا تھا اُسکی فوج کی ایک سرسری نظر مناسب مقام ہوگی۔ رانا کا جرار لشکر ذاتی اور امدادی فوج پر شامل تھا۔ خود رانا کی معرکہ دیدہ فوج اسّی ہزار تھی اور امدادی فوج ذیل کے مطابق تھی۔ صلاح الدین حدی سارنگ پور مالوہ کی فوج ۳۰۰۰۰ حسن خان حاکم میوات کی فوج ۱۲۰۰۰ محمود ولد سلطان سکندر لودی کی فوج ۱۰۰۰۰ راول اودی سنگھ راجہ ڈونگر کی فوج ۱۲۰۰۰ بہاڑمل راجہ جے پور کی فوج ۴۰۰۰۰ میدنی رائے والی چندیری کی فوج ۱۲۰۰۰ نرپت ہاڑا راجہ بوندی کی فوج ۷۰۰۰ اور راجوں مہاراجوں کی فوج ۳۳۰۰۰۔ فوج رانا ۸۰۰۰۰ کل فوج دو لاکھ۔ بابر نے اپنی تخمینہ لود ان راجوں اور سرداروں کی ملکی آمدنی کے حساب سے رانا کی مجموعی فوج کا اندازہ دو لاکھ کیا ہے ممکن ہے یہ تخمینہ غلط ہو۔ لیکن اگر نصف بھی صحیح ہے تو شاہی منچلوں کو اپنے پچگنے آدمیوں سے نبرد آزما ہونا تھا۔ رانا سانگا اگرچہ کابل اور عیش شاہان ہند کو نیچا دکھا چکا تھا اور اسواسطے

عجب نہیں کہ اُسنے اپنے آپکو کل ہندوستان کا مہاراجہ خیال کرلیا ہو۔ لیکن اب جو سپہ سالار
اس سے جنگ آزما تھا اسکی حالت ہند کے بادشاہوں سے کلیۃً متغائر تھی۔ اُس نے قانون
حرب ازبکیوں اور ازبکوں کے اکھاڑے میں سیکھے تھے۔ لڑکپن اور جوانی میدان جنگ میں بسر
کردی تھی اور اُسکی تلوار اشگاف شمشیر کے جوہر ترکستان سے ہندوستان تک
عیاں ہوچکے تھے۔ ہندوستانی شاہوں پر اسکو قیاس کرنا بیجا تھا۔ بادشاہ بابر کی یہ اخیر
لڑائی ہے اسلئے اسلحہ اور ترتیب افواج کو کسیقدر بسط سے ہم بیان کرتے ہیں تاکہ ناظرین
باتمکین پر اُس زمانے کے فنون جنگ کی کیفیت منکشف ہوجائے۔ بابر کی فوج تلوار
تیرکمان نیزہ اور کارد سے مسلح تھی۔ ترکوں کی تقلید پر بندوق اور توپ کا استعمال بھی شروع کیا
تھا۔ بندوقچیوں کا ایک خاص گروہ تھا جلد انکی آتش غنیم پر فیر ہاتا تھا۔ توپ اگرچہ آجکل کی توپوں کے برابر قابل حملہ تھی مگر تاہم کیسی بھی
کہ گولا اسمیں پڑتا تھا اور ایک میدان جنگ میں ایک توپ سے بیس پچیس گولے چلائی جاتی تھیں ایکدفعہ بادشاہ نے حکم دیا تو ۱۶ مرتبہ
کیا تھا۔ ایک مرتبہ گنگا میں دو کشتیاں بھی توپ سے ڈبا دی گئیں تھیں۔ استاد علی بہادر اور مصطفیٰ
دو ترکی بہادر توپخانہ پر افسر تھے۔ اوستاد علی قلی توپ ڈھال بھی لیتا تھا۔ ۱۳ جمادی الآخر سنہ ۹۳۳ھ کو
علے الصباح معلوم ہوا کہ رانا حملہ کیا چاہتا ہے۔ بابر نے بھی اپنی فوج کو آگے بڑھالیا اور موضع خانوہ (علاقہ
بھرت پور) کے میدان میں دونوں کا مقابلہ ہوا نظام الدین خلیفہ نے شاہی فوج کو تورہ چنگیز خاں کی
روسے مرتب کیا تھا۔ غول یعنی قلب میں خود بادشاہ تھا اسکے دست راست پر ایک دوسرا حصہ فوج کا
کا تھا اس حصہ پر چین تیمور سلطان سلیمان شاہ (جو بدخشان کا پادشاہ ہوا) وغیرہ آٹھ امیر متعین
تھے اور دست چپ پر دوسرا حصہ تھا۔ امیر علاؤ الدین بن سلطان لودی اور شیخ زین
خوافی (دبیر بادشاہ) وغیرہ سات سردار متعین تھے۔ یہ دونو حصے غول کے بازو تھے غول کے دست
راست پر برنغار فوج کا بازوئے راست تھا۔ اسکی کمان شاہزادہ محمد ہمایوں قاسم حسین وغیرہ ملک کے
امیروں کی سپرد تھی۔ اور غول کے دست چپ پر جو برنغار فوجکا بازوئے چپ تھا اس بازو پر
مہدی خواجہ محمد سلطان میرزا وغیرہ ۱۲ افسر تھے۔ سلطان محمد بخشی کچھ سپاہیوں
کو لیئے بادشاہ کے قریب کھڑا تھا۔ یہ احکام شاہی سنتا تھا اور اپنے ماتحتوں کے
ذریعے سے فوج کے افسروں کو آگاہ کرتا تھا۔ جوبرنغار کے سمت میں تولقہ نوجا
ایک اور جزو تھا۔ جسپر ملک قاسم اور رستم ترکمان وغیرہ چار افسر عالی
تھے۔ مقصد اس احتیاط سے تھا کہ جس حصہ پر دشمن کا زور زیادہ ہو اسکی مدد کرے۔

تمام فوج پچاس کار آزمودہ افسروں کے چارج میں تھی۔ جب سب سپاہ مرتب ہو چکی تو فرمان
شاہی صادر ہوا کہ کوئی افسر بے اجازت اپنی جگہ سے جنبش کرے اور نہ بے حکم لڑے۔ انجو
دن کو لڑائی شروع ہوئی۔ ابتداءً ہندوؤں کا زور برنغار پر تھا۔ بادشاہ نے چین تیمور کو حکم دیا
کہ اسکی مدد کرے۔ چین تیمور حملہ کرکے ہندوؤں کو انکے قلب تک ہٹا لے گیا۔ مصطفیٰ رومی نے
برنغار سے باڑ ماری شروع کی۔ عین معرکہ میں شاہی حکم برنغار کے ۴۲ افسروں کو پہنچا۔ مصطفیٰ
رومی کا ہاتھ بٹائیں۔ ہندو تدریج بڑھتے جاتے تھے چار برنغار کے اور تین جرنغار کے افسر یکے بعد
دیگرے انکی کمک کو بھیجے گئے۔ تولقمہ نے حسب فرمان ہندو فوج کی پشت پر حملہ کیا۔ سیلاب جنگ
پورے جوش پر تھا اور لڑائی بہت طول پکڑ گئی تھی کہ غول کے ایک حصے کو حکم ہوا کہ ارابوں سے
نکلکر ہندوؤں کا سامنا بچا کر دائیں بائیں سے حملہ کریں۔ کچھ عرصہ کے بعد بادشاہ نے
ارابے علیحدہ کراکے خود حملہ کیا۔ بادشاہ کو حملہ کرتے ہوئے دیکھکر اسلامی لشکر میں ایک تازہ
ولولہ پیدا ہوا۔ اور انتہائی جوش سے دشمن پر وار کرنے لگے۔ عصر کے بعد تک لڑائی پورے
جوش پر تھی۔ اور کسی فریق کے چہرہ پر غلبہ کی بشاشت نہیں پائی جاتی تھی۔ آخر آٹھ گھنٹہ
کی خونریزی کے بعد غروب کے قریب رانا کا خورشید اقبال زوال پذیر ہونے لگا۔ اپنی منکوبیت
دیکھکر بہادر راجپوتوں نے پھر جی توڑ کر قسمت آزمائی کی۔ اور یہ ہنگامہ واقعی بہت خطرناک
تھا۔ تھوڑی دیر میں دلاوران مغل نے یہ مسرت خیز تماشا دیکھا کہ میدان سے راجپوتوں کے
قدم اُٹھ گئے۔ رانا خود بصد دشواری جان بچا کر میدان سے نکل گیا۔ اور اُسی سال فرط رنج
و غضب سے عدم کی راہ لی۔ حسن خاں میواتی اور جے سنگھ اور کرم چند چوہان اور راؤ ناہر لالو
میدان جنگ میں ہاتھ پاؤں پٹک کر سرد ہو گئے۔ شیخ زین خوافی نے فتح بادشاہ اسلام تاریخ
۹۳۳ھ
کہی ہے اور حسن اتفاق کہ کابل سے میر گیسو نے جو رباعی بھیجی اُسکا مادہ تاریخ بھی یہی تھا۔ شاہ
سخن سنج نے دونو تاریخ گوؤں کی تسلی کر دی کہ صرف وہ تاریخ لے لیا۔ یہ فتح تاریخ ہندوستان
میں بہت نمایاں اور شاندار ہے۔ اسکی کامیابی پر خیال کرنا چاہیئے کہ سلطنت مغلیہ کی
بنیاد ہندوستان میں جمی۔ بابر کی فوج بہت کم تھی اور رانا کا لشکر کثیر و آزمودہ کار تھا۔ فوجی
انتظام اور ضبط امرا و کاروان کی کثرت اور خود اپنی ۳۴ برس کی مہارت جنگ سے بابر غالب آیا
اگر یہ اسباب نہ ہوتے تو رانا کی کامیابی میں بہت کم شبہ تھا۔ اس میدان کو جیتکر بادشاہ نے غازی
لقب اختیار کیا۔ محمد شریف بھی مبارکباد کو حاضر ہوا۔ اول تو بابر نے بہت ملامت کی لیکن پھر اپنا کہا

روپیہ انعام دیکر اپنی عملداری سے باہر نکالدیا۔ راناسانگا سے میدان فتح کرکے بابر نے اسکے مددگار میدنی
رائے پر حملہ کیا اور چندیری چند روز کے محاصرے میں لیلی۔ چندیری پر کامیاب ہوکر بیانہ پر یورش کی
اور اسکو بھی ممالک محروسہ میں شامل کرلیا۔ امن قایم کرکے ملک کا دورہ کیا۔ اور گوالیار۔ گول دھولپور
باڑی وغیرہ کا ملاحظہ کیا۔ آگرہ سے کابل تک پیمایش کا حکم دیا اور محکمہ پیمایش کو یہ ہدایت کی کہ
ہر نو کوس پر ایک منارہ ۱۲ گز اونچا بنایا جائے اور ہر ایک منارہ پر ایک چار درہ بنے ہر
دس کوس پر ۶ گھوڑے ڈاک چوکی مقرر کیے جائیں۔ اگر خالصہ شاہی میں ہوں تو سائیس
کی تنخواہ اور گھوڑے کا دانہ چارہ خزانہ سے ملے۔ ورنہ جس امیر کی جاگیر میں ہوں اُسکو ذمہ
رہے۔ اسی سال شاہ غازی نے آگرہ میں باغ کا دربار کیا۔ تمام شاہی امرا اور سلطنت
صفویہ اوزبک اور ہندو راجاؤں کے سفیر باریاب ہوئے سب نے نذریں پیش کیں۔ نذروں کے بعد
خاصہ لایا گیا۔ خاصے سے فارغ ہوکر بادشاہ نے مست ہاتھی اور اونٹوں کی لڑائی مشاہدہ کی
پہلوانوں کی کشتی ہوئی جسنے اپنے حریف کو پچھاڑا اُسکو انعام ملا۔ ہندوستانی بازیگروں نے بھی
خوب خوب تازہ کرتب دکھائے۔ تمام مستحق لوگوں کو خلعت عطا ہوئے۔

بنگالہ کا فساد

بنگالہ میں سلطنت لودی کے بقیہ اجزا نے وہاں کے حاکم سے ملکر ایک فساد برپا کیا اور چنار (ضلع
میرزاپور کے) قلعہ پر دھاوے کی دھمکی دے رہے تھے۔ بادشاہ خود اُنکے استقبال کیواسطے لشکر
لیکر گیا۔ اور انکو شکست پر شکست دیتا ہوا حاجی پور (بہار تک) چلا گیا۔ حاجی پور میں
دشمن کے استقبال کی فکر میں تھا کہ بنگالہ کی مہیب برسات شروع ہوگئی۔ افغانی سردار بہت
تنگ آگئے تھے۔ بارش کو انہوں نے رحمت سمجھا اور صلح کی تحریک کی بادشاہ کو برسات نے صلح
پر مجبور کیا۔ اور صلح کرکے آگرہ واپس آیا۔ اثنائے راہ میں لشکر کنارے کنارے گنگا کے کوچ کرتا تھا
اور بادشاہ خود سیر دریا سے لطف اُٹھاتا کشتی میں آتا ہے۔ ایک روز دور سے کچھ درخت نظر
آئے بادشاہ نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ منیر ہے۔ بادشاہ کو شیخ یحییٰ منیری کے مزار کا شوق ہوا
گھوڑے پر سوار ہوکر منیر گیا۔ اور فاتحہ پڑھکر ادھر ادھر سیر کرتا ہوا اردوئے شاہی سے آملا حساب
کیا گیا تو تینتیس کوس گھوڑے پر اسروز سوار ہوا تھا اور اس تیزی سے آیا کہ اکثر فربہ اندام گھوڑے
تھک کر رہ گئے۔ بابر برسات کے اندیشے سے افغانی اجزاء کو منتشر کرکے چلا آیا تھا انکی قوت بالکلیہ
زائل نہیں ہوئی تھی یہی افغان ہیں جو ہمایوں بادشاہ پر مصیبت کے بادل بنکر برسے۔ ۹ شوال سنہ ۹۳[illegible]

کو بادشاہ آگرہ میں واپس آیا۔ اکبر آباد میں زندہ دل بادشاہ کو دو باتوں سے بہت مسرت حاصل ہوئی۔ اور یہ ایسی مسرتیں تھیں جنکو وہ ہندوستان میں ترس گیا تھا۔ اول بھی پالیزکار اور داروغہ باغ ہشت بہشت نے خربوزے اور انگور کے چند خوشے لا کر پیش کیے خربوزوں کی فصل اگرچہ گذر چکی تھی مگر سلیقہ شعار پالیزکار نے کچھ پھل اپنے آقا کے واسطے لگا رکھے تھے۔ اپنے دور دراز وطن کی اس یادگار کو دیکھکر بابر بہت خوش ہوا اور واقعات بابری میں بادشاہ نے لکھا ہے کہ "از جہت خربوزہ و انگور رسیدن در ہندوستان فی الجملہ خورسندی شد" دوسری مسرت یہ تھی کہ بادشاہ کی عزیز بیوی ماہم بیگم شوہر سے ملنے کابل سے آئی تھی۔ مدت سے پنجاب وغیرہ کے صوبہ داروں کو پیشوائی اور دیگر جزئیات کے متعلق فرمان نافذ ہو چکے تھے۔ بادشاہ کے آگرہ سے پہنچنے کے دوسرے روز وہ بھی مع الخیر وہاں آ پہنچی۔ یہ بیگم بادشاہ کو نہایت عزیز تھی۔ بابر کے دل کو بعض بدمزاج بیویوں کے اخلاق سے صدمہ پہنچا تھا۔ ماہم بیگم نے اپنے سلیقہ اور تمیز سے وہ سب صدمے بھلا دئے تھے۔ ہمایوں اور ہندال اسی بیگم کے بطن سے ہے۔ کابل سے جب روانہ ہونے لگے تو اپنے ہاتھ سے شاہانہ طرز پر ایک فرمان حاکم پنجاب کو لکھا کہ فلاں تاریخ سرحد پر ہماری خیر مقدم کیواسطے حاضر ہونا

دلی میں پرانے قلعہ کے پاس ایک مدرسہ اور مسجد ہے جو ماہم کا مدرسہ مشہور ہے مسٹر بیل نے لکھا ہے کہ مدرسہ اور مسجد ماہم بیگم بابر بادشاہ کی بیوی کی تعمیر کردہ ہے۔ شاہ جلال الدین اکبر کی انا کا نام بھی ماہم بیگم تھا۔ یہ مدرسہ اور مسجد ہماری رائے میں اس ماہم کی بنائی ہوئی ہے نہ ماہم بیگم بابر بادشاہ کی بیوی کی۔ اس مدرسہ پر یہ تاریخ کندہ ہے۔ ؎ بدوران جلال الدین محمد ؛ کہ باشد اکبر شاہان عادل ؛ چو ماہم بیگم عصمت پناہی ؛ بنا کرد این بنا بہر افاضل ؛ ولی شد ساعی این بقعہ خیر ؛ شہاب الدین احمد خان باذل ؛ زہی خیریت این بقعہ خیر ؛ کہ شد تاریخ او خیر منازل ؛ اس قطعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مدرسہ اکبر بادشاہ کے عہد میں بنایا گیا جہانتک میری نظر تاریخ پر پڑی ہے معلوم نہیں ہوتا کہ ماہم بیگم اکبر کی دادی اسکے عہد میں زندہ تھی البتہ مریم مکانی اس کی ماں اسکے عہد میں حیات تھی۔ قطعہ کا تیسرا مصرعہ صاف کہہ رہا ہے کہ شہنشاہ عصر کی دادی کے متعلق یہ بیان نہیں ہے کیونکہ صرف "عصمت پناہی" یہ وہ لفظ اتنی والا مرتبہ بیگم کی شان کے مناسب نہیں۔ بلکہ ایک معزز شریف زادی کے شایان ہیں۔ شہاب الدین احمد خان نیشاپوری جسکا اس تاریخ میں حوالہ ہے اکبر شاہ کی انا ماہم بیگم کا عزیز تھا

اسکے اہتمام سے بنا تھا ہمارے ہمعصروں پر قرینہ ہے۔

بابر کی وفات

بیگمات کے آنے پر ڈیڑھ سو کہاروں کو مزدوری دیکر کابل بھیجا کہ وہاں سے میوہ لائیں جب سنہ ۹۳۷ھ کو بادشاہ پر بیہوشی طاری ہوئی۔ مرض روز بروز بڑھتا ہی گیا۔ ہمکو نہیں معلوم کہ کیا مرض بہانہ موت ہوا۔ بہر حال معالجہ سے کچھ نفع نہیں ہوا مرض کی سختی آنیوالی اجل کی پیشنگوئی کرنے لگی۔ بادشاہ نے ہمایوں کو کاشمیر (ملک پنجاب) کے محاصرہ سے بلاکر ولیعہد کیا۔ پیر کے دن جمادی الاول کی پانچویں کو ہادم اللذات کی ساعت آپہنچی۔ اور شاہ ظہیر الدین محمد بابر غازی جو فرغانہ میں پیدا ہوا۔ اور برسوں بدخشان کے کوہستان میں سرگردان رہا تھا۔ آگرے میں اس حیثیت سے عالم بالا کو گیا کہ دریائے آکسس سے لیکر دریائے گنگا کے نشیب تک ملک اسکے زیر نگین تھا۔ ع حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا۔ مرتے دم اسنے وصیت کی کہ اسکی لاش کابل بھیجی جائے اور اگر اوزبکوں کا اندیشہ ہوتا تو وہ بالضرور اپنے باپ کے پہلو میں دفن ہونیکی وصیت کرتا۔ ایسے اولو العزم بادشاہ کی لاش کیلیے بالضرور ۵۰۰ میل طے کرکے آرام لینا مناسب تھا۔ اور بابر سے زندہ دل کی قبر کے واسطے بھی سبزہ زار کابل سزاوار تھا۔ وفات کے بعد فردوس مکانی اسکا لقب ہوا۔ اور دی بہشت روزی باد تاریخ وفات ہے۔ چند روز اسکی لاش آگرہ میں افشاں باغ میں (جو اب آرام باغ مشہور ہے) امانت رہی وہاں سے لیجا کر کابل کے قدم گاہ سلطان میں خاک میں ملائی۔ اسکے پڑوتے شاہجہان بادشاہ نے اپنے نامور مورث کے احترام کیواسطے قبر پر نفیس سنگ مرمر کا مقبرہ بنوادیا۔ یہ ہیں نامور بابر کی موت و زندگی کے مختصر احوال جو ہمنے اوپر بیان کردیئے۔ لیکن ابھی کچھ اور کہنا اور بیان کرنا باقی ہے۔ اس تصویر میں بابر کے چند اندرونی صفات کی جھلک معلوم ہوتی ہے کچھ صفات کی چمک اس بیان سے ہویدا ہوگی۔

علم و تحقیق

پچاس برس کی عمر میں انتقال کیا۔ ۱۲ برس کی عمر میں تخت نشین ہوا اور تخت نشینی

۱ دیکھو تاریخ فرشتہ احوال شاہ اکبر [illegible] مدرسہ ماہم بیگم۔

مابین ۳۷ برس کا زمانہ ہی جسمیں ۳ برس راحت یا زحمت سی جسطرح بسر ہوئی۔ آپنی دیکھ لیا۔ یہ ماجرا دلچسپی سے
خالی نہوگا کہ ۱۱ برس کی عمر سے ۴۸ برس کی عمر تک ایک جگہہ متواتر اُسنی دو عیدیں نہیں کیں۔ یا
بالفاظ دیگر سال بھر کسی مقام پر چین سی نہیں بیٹھا علم اور کمال سی کچھہ ازلی مناسبت اُسکو تھی اور
مبدء فیاض سے ذوق سلیم اُسکو عطا ہوا تھا۔ ان ملکی افکار اور تشویشوں میں بھی اُسکو علم کیطرف
ایک خاص توجہ رہی۔ ابتدائے زمانہ میں اسکو بہت کم فراغت حاصل ہوئی جو طالب العلمانہ تحصیل کرتا لیکن
متواتر توجہ نے اُسکو واسطے علمی شان بھی حاصل کرلی۔ فقہ حنفی میں اُسکو خاص مہارت تھی محمد قاسم فرشتہ کا
یہ اعتقاد ہی کہ مجتہدانہ قوت رکھتا تھا۔ ترکی نظم میں ایک فقہ کی کتاب لکھی ہے۔ جسکا نام مثنوی مبین ہے
واقعات بابری میں کچھہ اشعار اُسکے نقل کیے ہیں۔ بابر کی مادری زبان چغتائی ترکی تھی۔ ترکی میں اشعار
بہت کہے ہیں اور واقعات مذکور میں جابجا کثرت سی درج ہیں۔ مگر افسوس عدم قابلیت کے سبب ہم
اُنکی نسبت کچھہ کہہ نہیں سکتے۔ اپنی سوانح ابتدائی تخت نشینی سی آخر عہد تک اسی زبان میں
قلمبند کئی ہیں۔ محمد قاسم فرشتہ کہتا ہی کہ نسخہ نوشتہ کو فصحی قبول دارند۔ عبدالرحیم خاں نے اپنے آقا اکبر شاہ کی
فرمایش سے اُسکا ترجمہ فارسی میں کیا۔ جو واقعات بابری کے نام سی مشہور ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سی معلوم ہوتا
ہی کہ ہندوستان میں لکھی گئی ہی بالحق نہایت راستبازی اور حق پرستی سی اس کتاب کو لکھا ہی۔ اُسکو
راستباز قلم نے نہ بابر کے باپ کے عیوب چھپائے ہیں اور نہ اُسکو جانی دشمنوں کے ہنروں سی چشمپوشی کی ہی ہمنے
اوپر بابر کی رائے اسکے باپ کی نسبت لکھی ہی۔ اس سی اُسکی آزادی رائے کا اندازہ ہو سکتا ہی جس بحث کا
پہلو آپڑا ہی نہایت بسط اور تحقیق سے اسمیں صفحوں کے صفحے لکھدئے ہیں۔ ہندوستان کے بیان میں ۴۸ صفحے لکھے
ہیں۔ یہاں کے حیوانات۔ نباتات۔ رسوم و عادات سب باتوں سی بحث کی ہی۔ اور جو کچھہ لکھا ہی۔ شاید کوئی
ہندوستانی بھی نہیں کہہ سکتا کہ یہ بات غلط لکھی ہی۔ انگریزی میں بھی اسکے دو ترجمے ہوئے ہیں اور مسٹر ایلیٹ
کی شہادت کے مطابق تمام عالم نے اس کتاب کی تعریف کی ہی۔ خواجہ مولانا اُسکے اُستاد کی تربیت سی
اُسمیں سلامت روی و سادگی کا ایک مادہ پیدا ہو گیا تھا۔ اور یہی وہ صفتیں ہیں جو طالب
کو اپنے مقصود میں کامیاب کرسکتی ہیں۔ ماوراء النہر اور خراسان کا ہر شہر و قریہ اسوقت علمی کیفیت اور
اور کیفیت کمال سے سرشار ہو رہا تھا۔ بابر جہاں گیا خواہ کسی حال میں تھا۔ اہل کمال
سے ضرور مستفید ہوا۔ کسی بات کو محض رواج اور تقلید کی بنا پر وہ کبھی تسلیم نہیں
کرتا تھا۔ تاتاری مغلوں کی تاریخ جن صاحبوں نے پڑھی ہے وہ جانتے ہیں کہ وہ لوگ
شہنشاہ چنگیز خاں کے قواعد کو احکام الٰہی سے زیادہ واجب العمل خیال کرتے تھے۔

ہم امور در کشا و شکست و بغاوت و دوستی و پوشش میں بھی انہیں قواعد کی پابند تھی۔ بابر کہتا ہے
اگر ہمارے باپ اور بھائی تورہ چنگیز خاں کی نہایت ہی رعایت کرتے ہیں۔ تورہ چنگیز خانی
کوئی آئینہ نہیں ہے کہ خواہ مخواہ اوسپر عمل کیا جائے جس کسی نے اچھی بات نکالی ہو۔ اوسپر عمل کرنا
چاہیئے۔ اگر باپ نے کوئی روش بد جاری کی ہو اسکو نیکی سے بدل دینا چاہیئے۔ جب وہ غزنی آیا
تو لوگوں نے کہا کہ یہاں ایک مزار ہے جسپر درود پڑھنے سے قبر جنبش کرنے لگتی ہے۔ بابر وہاں گیا
اور درود جب پڑھی گئی تو قبر واقعی متحرک محسوس ہوئی۔ جب تفتیش کی تو سمجھ گیا کہ مجاوروں کا
فریب ہے۔ قبر پر ایک جھولا سا بانڈہ رکھا تھا۔ ایک مجاور جسکے پیچھے اسمیں گھس جاتا تھا جھولا
ہلتا تھا لوگ خیال کرتے تھے کہ قبر ہلتی ہے۔ جیسے اہل کشتی کو کنارہ چلتا نظر آتا ہے۔ بابر نے مجاوروں کو
اس حرکت شنیع سے منع کر دیا۔ فارسی شعر سے ایک خاص لگاؤ تھا۔ خود بھی کم کم کہتا تھا۔ لیکن جو کچھ
کہتا تھا دلنشین اور صاف۔ قلعہ بیانہ کے حاکم کو ایک فرمان استمالت بھیجا اُسمیں یہ شعر لکھ بھیجا
درج ہے ع بانرک ستیزہ مکن ای میر بیانہ ÷ چالاکی و مردانگی ترک عیانست ÷ ور زود نیائی و
نصیحت نکنی گوش ÷ ہر جا کہ عیانست چہ حاجت بہ بیانست ÷ محمد قاسم فرشتہ نے یہ شعر بابر
کے نام لکھا ہے ع باز آی ای ہمائی کہ بے طوطی خطت ÷ نزدیک شد کہ زاغ برد استخوان
من ÷ مگر یہ غلطی ہے بابر نے یہ شعر خود حسن یعقوب کا بتایا ہے۔ خواجہ اصفی کے کلام کی نسبت
اسنے یہ ریمارک کیا ہے "شعر او از رنگ و معنی خالی نیست۔ اگرچہ از عشق و حال بے بہرہ است"
اگر کوئی مشتاق شعر فہم خواجہ اصفی کے کلام پر رائے ظاہر کریگا۔ تو اس بیان سے شاید متفق نہ ہوگی۔
فن عروض میں بھی خوب ماہر تھا۔ ذکی کا ایک شعر کہا ہے جو پانسو چار وزن میں تقطیع ہو سکتا
ہے اس مبحث پر ایک رسالہ علیحدہ اُسنے لکھا ہے۔ عیش پرستی نے فن موسیقی میں بھی کامل کر دیا تھا
خوب سمجھتا تھا۔ اپنے معاصر موسیقی دانوں کی لیاقت نکتہ سنجی سے بیان کی ہے۔ اور جو جس شعبہ میں فائق تھا
یا جسمیں جو نقص تھا سب بیان کرتا ہے۔ خط بھی نہایت پاکیزہ تھا۔ اور بالکل خوشنویسی کو وقت
خوشنویسانہ انداز ہوتا تھا۔ مسطر اپنے ہاتھ سے بناتا تھا۔ ایک شب کو جنگل میں سوتے وقت باد و باراں کا
طوفان آ اوٹھا۔ اور تمام خیمہ سر بسجود ہو گئے۔ بابر اپنے خیمے میں بیٹھا لکھ رہا تھا کہ ڈیرہ اوسپر آ رہا لیکن
ضرر کچھ نہیں پہنچا۔ اوراق پریشان اور پانی میں شرابور ہوگئی۔ بادشاہ نے خود اپنے ہاتھ سے اکٹھے کئے اور
چار پائی کی نیچے کھکرا دیہ کمبل ڈالدیا۔ جب بارش موقوف ہوئی تو ان کو نکالا اور صبح تک آگ سے اونکو
خشک کرتا رہا۔ بابر میں یہ صفت تھی کہ جس بزم میں ہوتا تھا بس یہی معلوم ہوتا تھا کہ گویا اسکی لیئے ہو

ما دیں بادشاہ جنگ میں سپہ سالار و در بزم میں ایک یار باش رند۔ محمد قاسم فرشتہ نے اسکے علم کی نسبت لکھا ہے کہ در علم فقہ حنفی مجتہد بود و در علم موسیقی و شعر و انشاء و املا نظیر نداشت۔ وقائع سلطنت خود را در ترکی بنوعی نوشتہ کہ فصحا قبول دارند ؎

امرائے شاہی

بابر نے اس جہان میں جو کچھ ترقی و عروج حاصل کیا وفادار بلند اور دانشمند امرا کی مدد اور سعی ہی انکے واسطے ذریعہ تھی۔ وہ خود یکتا رہبا در سپہ سالار تھا۔ امن کے زمانہ میں دانا مشیر اور صلاحکار اور مصیبت میں یار غمگسار امرا کا ایک چیدہ گروہ تھا جنکو اس زمانہ کے محاورہ میں کونسل کہنا چاہیئے۔ جنگی اور ملکی سب معاملات اس کونسل میں بحث کے بعد نفاذ پذیر ہوتی تھی۔ اکثر مباحثوں میں مشیروں کی رائے بادشاہ کے خلاف ہوتی تھی اور قابل عمل امور زیر بحث آجاتے تھے۔ بابر کو علحدہ و بابر کا برتاؤ اپنے امیروں سے محض یارانہ تھا۔ شاہی مے پرستی کے جلسوں میں وہ بھی شریک ہوتے تھے۔ بابر انکی دعوتوں میں جاتا تھا۔ کبھی دعوت افطار ہوتی تھی اور کبھی بزم نشاط کا سامان ہوتا تھا۔ اکثر انکے سر جاتا ان سے بنا وتیں کیں۔ مگر وہ کبھی در پے آزار نہیں ہوا۔ ہمیشہ انکی تقصیر معاف کر دیا۔ یونس علی۔ عبداللہ کتاب دار۔ قاسم حسین۔ محمد علی۔ شاہ منصور برلاس۔ درویش محمد۔ نظام الدین خلیفہ۔ خواجہ کلاں امرا میں زیادہ سربرآوردہ تھے۔ ایک مرتبہ خواجہ کلاں کو کابل کا حاکم کرکے بھیجا تھا چند روز بعد مفارقت شاق ہوئی اور یہ شعر تصنیف کرکے لکھ بھیجے ؎ قرار و عہد بیاراں چنیں نبود مرا ٭ گزید بجر مراکرد بے قرار آخر ٭ تبشوہائے زمانہ چہ چارہ سازد کس ٭ بجور کرد جدا یار را ز یار آخر ٭

عیش و نشاط

شباب میں بہت زاہدانہ زندگی بسر کرتا تھا مشتبہ کھانے سے قطعاً پرہیز تھا۔ اور اس مرتبہ احتیاط تھی کہ دسترخوان چھری وغیرہ کھانے کے متعلقات پر بھی خاص نظر رہتی تھی۔ یہ خواجہ مولانا کی انفاس قدسیہ کا اثر تھا۔ بابر نے اسکو شراب پینے کی ترغیب دی لیکن اس نے نہیں مانا۔ آخر خواجہ مولانا جنکے فیض صحبت کا اثر تھا شہید ہو گئے۔ اور بابر کو ہوائے نشاط اڑا لے گئی۔ ۲۲ برس کی عمر میں ڈاڑھی استرے کی نظر کردی اور گویا عیش کی اسٹیج پر آنے کے لیئے روپ بدل لیا۔ دختر رز کے عشق نے بھی اسکو اپنی طرف مائل کر لیا تھا مگر بے تحریک اتنی جرأت نہ تھی۔ تحریک کون کرے۔ ہرات جانے تک تائب تھا۔ ہرات کی سوسائٹی اس وقت عشرت میں ڈوبی ہوئی تھی۔ میزبان شہزادوں نے اس سے بھی بادہ نوشی کی فرمایش کی۔ اسنے ہاتھ پھر کھینچ لیا۔ ہمکو معلوم نہیں پھر کہاں اسنے جام ارغوانی لب سے لگایا۔ کابل میں ہم اسکو ایک

یں دیکھتی ہیں کہ ایک دلفریب سبزہ زار میں سنگ مرمر کا ایک حوض شراب کابلی سے پر ہے اور گرد یہ شعر کندہ
ہے نوروز و نو بہار مے و دلبری خوش است ٭ بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست ٭ نازنان پری پیکر او
ساقیان گل اندام ساقی گری لوٹ غارت ہوش پر کمر بستہ ہیں۔ بابر ان یاران باصفا کی حلقہ میں بے تکلف بیٹھا
اس دلکش سماں میں محو ہو رہا ہے۔ ایک جانب مطرب خوش نوا مخدوم حافظ شیراز کا یہ شعر بادنیٰ تغیر گا رہا
ہے ای خوش آں روز کہ بے پاؤ سرایاے چند ٭ ساکن میکدہ بودیم بہ بدنامے چند ٭ کسی سمت سے روح پرور
آ رہی ہے بگذر در ارک کابل مے بہ پیما بادہ پے درپے ٭ کہ ہم کوہ است و ہم دریا و ہم شہر است ہم صحرا
بابر یہ ایک عیش کا نمونہ ہے کابل کی بہارستان میں یہ لطف ہر جگہ اٹھایا کبھی درخت چنار کے نیچے وہ جلسہ
تھا اور کبھی شفاف چشمے میں کشتی پر بادہ پیمائی ہوتی تھی۔ ایک روز ایک قاضی صاحب کا مکان بزم کیواسطے
پسند ہوا اور تمام سامان نشاط قرینے سے لگا دیا گیا۔ قاضی صاحب بہت گھبرائے مگر کیا کریں بادشاہ تھا۔
بیچارہ غریب ہوتا تو کئی دُرے پڑ گئے ہوتے۔ آخر جرات کر کے کہا کہ اس مکان میں کبھی ایسا ہوا نہیں آئندہ
ہے۔ بابر بھی سمجھ گیا اور فوراً حکم دیا کہ سب سامان وہاں سے اٹھ جائے۔ بابر ان جلسوں میں ایک سادہ دل رند کی
وضع پر شریک ہوتا تھا۔ آداب شاہی اور آداب سلطنت کا کہیں ڈھونڈھے نشان نہیں ملتا تھا۔ ایک بار
اپنے ایک امیر کے ساتھ شغل مدام کو دل چاہا۔ گھوڑے پر چڑھ کر اکیلا چل دیا۔ یہ امیر حد درجے کا قلاش تھا اور بادشاہ
بھی انکی قلاشی کو خوب جانتا تھا۔ ایک بوتل بغل میں دبا کر لیگیا۔ آبادی سے باہر ایک ٹیلہ پر بیٹھ گیا اور امیر
کو وہاں بلوا بھیجا۔ وہ آیا تو ترتیب بزم کی فرمایش کی وہ تو بقول رند غالب کے قرض کی پیتے تھے۔ گھبرا گئے۔ بابر نے
بغل سے بوتل نکالکر حوالہ کیا اور تھوڑی دیر میں جنگل میں منگل ہو گیا۔ فتحپور سیکری میں تخت شراب سے توبہ کر لی
اور پھر کبھی اس کا فر کو منہہ نہیں لگایا۔

شاہی حرم کہ بابر نے پانچ شادیاں کیں۔ اول عائشہ سلطان بیگم سے۔ یہ بیگم بابر سے کچھ مرتبط نہیں ہوئی۔ آخر مفارقت
ہو گئی۔ ایک لڑکی اسکے بطن سے تھی۔ مگر بچپن میں مر گئی۔ دوم معصومہ سلطان بیگم یہ نکاح کے بعد تھوڑے روز زندہ رہی
ایک لڑکی ہوئی اسی مرض میں یہ بیگم رحلت کر گئی۔ عائشہ سلطان بیگم کے بعد یہ شادی ہوئی تھی۔ سوم زینت سلطان بیگم سلطان
محمود میرزا کی بیٹی تھی اور نہایت بد مزاج۔ بابر اس سے بہت تنگ رہا۔ مگر اجل کی عنایت سے دو تین برس کے بعد اس بلا سے اسکو نجات ملی۔ چہارم
ماہم بیگم پنجم والدہ عسکری و کامران۔ ان دو بیگموں کی نسبت ہمیں معلوم نہیں کہ کس خاندان کی تھیں۔ افغانستان میں یوسف زئی
خاندان کی ایک لڑکی بابر نے ملکی مصلحت سے خواستگاری کی تھی۔ لڑکی کے باپ نے منظور کیا اور لڑکی کو بادشاہ کے پاس بھیجا
مگر ہم نہیں کہہ سکتے کہ نکاح ہوا یا ملتوی رہا۔ حرم کی ناجائز قاعدہ سے اسکو سخت نفرت تھی اور اس سے تمتع اٹھانے والوں کا
[illegible] شاید پیدا ہو سکتی ہے کہ ایشیائی بادشاہ ہو [illegible]

تمت بالخیر